ہفت روزہ

الفتح

کراچی

الفنسٹن سٹریٹ میں سازش

صفحہ ۱۵ پر ملاحظہ فرمائیں

۲۲-۲۹ جولائی سنہ ۱۹۷۱ء

قیمت : ۵۰ پیسے

ہوائی ڈاک سے : ۵۰ پیسے

کشور ناهید

غزل

منظور ہے رگوں سے لہُو کی جُدائی اب
جی بھر کے تم جتاؤ عروجِ خدائی اب

شعلے کا رنگ و روپ بھسم ہو ہی جائے گا
دے گا نہ شورِ حشر کہیں بھی سُنائی اب

جاں باختن ہی مرحلہ عجزِ غم نہیں
مرجائیں گے تو خاک بھی دے گی دُہائی اب

راہیں نشانِ منزلِ احساس کھو چکیں
دیتے ہیں خوابِ خواب میں صحرا دکھائی اب

بدلی بساطِ دل تو ہنر عیب بن گیا
آئینہ دیکھنے پہ ہُوئی جگ ہنسائی اب

دیوانگی کو وسعتِ صحرا بھی ہے قبول
مانگے ہے عجزِ تامہ بری سے رہائی اب

اب دامِ اختیارِ نفس بھی ہے جانکنی
ظاہر ہے دلبری کی بھی ہیئت کذائی اب

اِداریہ

بھارت کا ایٹم بم اور ہمارے عثمانی صاحب

حکومتِ پاکستان نے ایک کمیٹی قائم کی ہے جو سائنسی ترقی کے کاموں کی رفتار تیز کرنے اور منصوبہ بندی کی ذمہ دار ہوگی۔ ملک کے مایہ ناز سائنسدان پروفیسر عبدالسلام کمیٹی کے چیئرمین ہونگے۔ اس اعلان کو پڑھتے ہی پاکستانی عوام کے ذہنوں میں ایک سوال اُبھرتا ہے کہ آج تک ہم نے سائنس کے میدان میں کیا کارنامے انجام دیئے ہیں۔ قومی خزانے کا کروڑوں روپیہ خرچ کرکے کیا حاصل ہوا ہے۔

پاکستان میں ایٹمی توانائی کمیشن ایک عرصے سے کام کر رہا ہے۔ اس کے چیئرمین کی پریس کانفرنسیں دل خوش کرنے کا بہت سا مواد فراہم کرتی رہی ہیں۔ عوام نے مسٹر عثمانی کے انکشافات اور منصوبوں میں بھرپور دلچسپی کا اظہار کیا لیکن وہ آج تک یہ جاننے سے مجبور ہیں کہ ٹھوس شکل میں کیا نتائج اخذ ہوتے ہیں

"سپارکو" کے نام سے ایک ادارہ کام کر رہا ہے۔ یہ خلائی آلات کے تجربات کے لئے ہے۔ رہبر اوّل کے کامیاب تجربے کے بعد رہبر دوم کا کیا ہوا؟ اس کا کسی کو علم نہیں۔

ہم یہ سطور انتہائی افسوس کے ساتھ لکھ رہے ہیں کہ قومی اہمیت کا یہ ادارہ سائنسی ترقی کی بجائے بدعنوانیوں اور اقربا پروری کا شکار ہوگیا ہے۔ کمیٹی کا بنیادی فرض یہ ہونا چاہیے کہ وہ مزید منصوبہ بندی کرنے سے پہلے ایٹمی توانائی کمیشن اور سپارکو کی مکمل چھان بین کرے۔ چیئرمین اور دوسرے افسروں کے اثاثوں کا کھوج لگائے۔ مختلف منصوبوں پر ضائع ہونے والے سرمائے کے ذمہ دار افراد کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لئے اپنی سفارشات صدر مملکت کو پیش کرے۔ یہ عوامل موجود رہے تو یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ کمیٹی جو کچھ بھی کرے گی وہ قومی سرمائے کے ضیاع کے راستے ہموار کرنے کے لئے ہوگا۔

پاکستان جن نازک مراحل سے گزر رہا ہے، اس میں ایک ایک پیسہ بچاکر ملک کی تعمیر کے لئے وقف کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے پاس افسروں کے لئے بدعنوانی اور اقربا پروری کے دروازے کھولنے کے لئے ایک بھی پیسہ نہیں۔ اس وقت قومی سرمائے کو غلط ہاتھوں کے سپرد کرنا پاکستان کی جڑوں پر کلہاڑا مارنے کے مترادف ہوگا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم قومی ضرورت کے کام اس مفروضے کی آڑ میں ترک کردیں کہ موجودہ سفید ہاتھیوں کو چھٹی دینے کے بعد سائنسدانوں کا قحط پڑ جائے گا۔ اس بات کا سب کو علم ہے کہ ملک میں ناقدری اور بدعنوان افراد کی اجارہ داری کی وجوہ کی بنا پر اعلیٰ صلاحیتوں اور اہلیت کے مالک سائنسدان غیر ممالک چلے گئے۔ ملک میں انصاف قائم ہوا تو ہمیں یقین ہے کہ وہ تمام واپس آجائیں گے۔ اُن کے علاوہ اب بھی ایسے افراد کی تعداد کم نہیں جو اُن کے زیرِ عتاب ہیں۔ اُنھیں موقع ملا تو وہ پہلے سے زیادہ محنت اور جذبۂ حُب الوطنی کے ساتھ اپنی قومی ذمہ داریاں نبھائیں گے۔

سائنس کمیٹی کو اپنے کام کی ابتدا ان الائشوں کو پاک کرنے سے شروع کرنی چاہئے۔ تبھی ہم بھارت کو ایٹم بم بنانے کے اعلان کا جواب ایٹم بم بنا کر دے دیں گے ورنہ ہم ایٹم بم کا بھارتی اعلان سن کر اسے غیر اخلاقی اور انسانیت کُش قرار دے کر اپنے ردّعمل کا اظہار کرتے رہیں گے۔ یہ زبان بھارت نہیں جانتا۔

خُدا کی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ
الفتح
کراچی

جلد:- ۲ شمارہ:- ۱۰

۲۲-۲۹ جولائی ۱۹۷۱ء

نگران
شوکت صدیقی
محمود شام

مدیر
ارشاد راؤ

معاونین خصوصی
ابراہیم جلیس، افضل صدیقی، عبدالحمید چھاپرا

مجلسِ ادارت
وہاب صدیقی، اشرف شاد، نعیم آروی

آرٹ ایڈیٹر
غلام نبی بزنجی

بدلِ اشتراک

	فی پرچہ	سالانہ	ششماہی
	۵۰ پیسے	۲۵ روپے	۱۳ روپے
ہوائی ڈاک سے:	۷۵ پیسے	۳۰ روپے	۱۶ روپے

بحرین، کویت:- ۶۰ فلس دوبئی قطر: ۷۵ درم
سعودی عرب:- ۱۵ قرش - انگلستان ۲ شلنگ ۶ پنس

مقام اشاعت
ہفت روزہ الفتح ۸۰ ڈی، نرسری کمرشل ایریا، بی، ای - سی - ایچ - ایس - کراچی-۲۹

ایڈیٹر پبلشر: ارشاد راؤ
مطبع حقی آفسٹ پریس، لیاقت آباد - کراچی

چیئرمین ماؤزے تنگ روزنامہ "جسارت" پڑھا کریں گے

درویش

چین نے امریکہ سے روزنامہ "جسارت" کے مشورے کے بغیر تعلقات بڑھالئے ہیں ۔ یہ چین کی انتہائی فاش غلطی ہے حالانکہ "جسارت" کے پاس بعض ایسے مشورے تھے کہ ان سے چین ۔ امریکہ سے دوستی کرنے سے پہلے کئی حفاظتی تدابیر اختیار کرسکتا تھا ۔ مگر چین نے روزنامہ "جسارت" پڑھنے کی زحمت ہی نہ کی ۔ حالانکہ چین کا سب سے بڑا ہمدرد اس کے علاوہ اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا ۔ اب چین نے امریکہ کو دعوت بھی دی ہے کہ وہ چین تشریف لائیں ۔ انہوں نے سوچا تک نہیں کہ اس کا کیا انجام ہوگا ۔ بہرحال اب چونکہ چین خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار چکا ہے ۔ اب سوائے نیک مشوروں کے اور کیا پیش کرسکتے ہیں ۔ اسی لئے روزنامہ "جسارت" نے اس انوار کی اشاعت میں چین کو خبردار کیا ہے ۔ کہ روس نے امریکہ سے تعلقات استوار کئے تو امریکہ وہاں صیہونیت کے اثرات سمیت وہاں جا پہنچا ۔ اب چین بھی یہ غلطی کر رہا ہے تو وہاں بھی خطرہ ہے کہ امریکہ صیہونیت کے اثرات لے کر پہنچے گا چین اتنا ضعیف الاثر ہے کہ وہ ان اثرات کو فوراً قبول کرے گا ۔ اور اس کا سارا نظام تہس نہس ہو کر رہ جائے گا ۔ پتہ چلا ہے کہ چین والوں کو اس بات کا قطعی علم نہ تھا ۔ اس لئے انہوں نے اس انکشاف سے باخبر ہوتے ہی روزنامہ "جسارت" کا مطالعہ شروع کردیا ہے ۔ اب چیئرمین ماؤزے تنگ بھی باقاعدگی سے "جسارت" پڑھا کریں گے تاکہ امریکہ کے باب میں قدم لغزش کا شکار نہ ہوجائیں ۔ مدتوں بعد چین کو کوئی ایسا ہمدرد ملا ہے ۔ چین شروع سے اگر "جسارت" کا مطالعہ کرتا رہتا تو آج اسے یہ دن دیکھنا نہ پڑتے ۔ اسے "جماعت اسلامی" سے سبق حاصل کرنا چاہیئے کہ اسے "جسارت" کے مطالعہ نے یہ دن دکھلائے کہ اب وہ خود کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی ۔

انتقالِ اقتدار کا مطالبہ بھی غدّاری ھے

یادش بخیر جناب ممتاز محمد خاں دولتانہ نے بیان دیا ہے کہ "موجودہ حالات میں انتقال اقتدار کا مطالبہ غدّاری کے مترادف ہے ۔" قربان جائیے دولتانہ صاحب کے چالیس سالہ سیاسی تجربے کے کہ آج ان کے منہ سے یہ سنہری جملے نکلے کہ "انتقالِ اقتدار کا مطالبہ ملک سے غدّاری ہے ۔" سبحان اللہ ۔ ہاں انتقالِ اقتدار کا مطالبہ کرنا نہ ان کی پالیسی ہی ہے نہ ان کی جماعت کی ۔ بلکہ ان کی جماعت تو اگر برسرِ اقتدار آئی تو اس نے اقتدار کا دامن نہ چھوڑا ۔ اور اس کا فلسفہ یہ ہے کہ انتقال اقتدار کا مطالبہ نہیں کیا جاتا بلکہ محلّاتی سازشوں کے ذریعے اسے حاصل کیا جاتا ہے ۔ دولتانہ صاحب ، مارچ کے اوائل میں جب ڈھاکہ تشریف لے گئے ، ان دنوں اُن کا اُٹھتے بیٹھتے یہی وظیفہ تھا کہ اقتدار منتقل کردیا جائے ۔ اس وقت حالات اچھے تھے ۔ انتقالِ اقتدار کا مطالبہ ملک سے عین وفاداری تھی کیونکہ اس وقت اقتدار شیخ مجیب الرحمٰن کے ہاتھ میں جا رہا تھا ۔ جسے بعد صدر مملکت نے اپنی زبان سے غدّار کہا ۔ غدّار کے لئے اقتدار کی منتقلی کا مطالبہ تو غداری نہیں ہے لیکن جو لوگ غدّاری میں ملوث نہیں ہیں ۔ اور عوام کے منتخب کردہ ہیں ۔ وہ اگر اقتدار کے انتقال کا مطالبہ کریں تو یہ ملک سے غدّاری ہے ۔۔۔ دولتانہ صاحب ۔ زندہ باد ۔

آغا شورش کاشمیری نے

"جماعتِ اسلامی" کو سلام کہہ دیا

۱۲ جولائی کے چٹان میں آغا شورش کاشمیری کی ایک نظم کے آخری دو شعر ملاحظہ ہوں ۔

وارثانِ منبر و محراب کو میرا سلام
معرکے ناگفتہ بہ ان کے لئے بھی سر کئے
انقلابِ گردشِ دوراں! خدا حافظ تیرا
حلقۂ اہل سخن میں آ گئے بھڑ بھو نجیے

جماعت اسلامی کے رہنماؤں سے بڑھ کر منبر و محراب کا وارث کون ہوسکتا ہے ۔ ان کو شورش صاحب آخری سلام کہہ رہے ہیں ۔ اور انکشاف کر رہے ہیں کہ ان کے لئے ناگفتہ بہ معرکے بھی سر کئے یہ کیسے معرکے ہوں گے ، وہ اس سے ظاہر ہے کہ انہیں آغا صاحب ناگفتہ بہ کہہ رہے ہیں ۔ واقعی انسان کو کوئلوں کی دلالی میں ہاتھ کالے کرنے پڑتے ہیں ۔ ہم تو آغا صاحب کے نیاز مند اور حجۂ نیز ہونے کی نسبت سے اس وقت بھی اس "دلالی" پہ حیرت کا اظہار کرتے تھے اور دعا کرتے تھے کہ ان کے ہاتھ کالے نہ ہوں ۔ مگر کیا کیا جائے ۔ ہاتھ کالے ہونے تھے ہوگئے ۔ شکر کیجئے کچھ اور کالا نہیں ہوا ۔



امریکی سرمایہ دار اور بدنام زمانہ

سی۔ آئی۔ اے اسس

اعلان سے سخت ناراض ہیں

صدر نکسن کو دورۂ چین سے پہلے ہلاک کر دیا جائے گا؟





ایک مکتوب نگار

امریکہ سے "الفتح" کے ایک مکتوب نگار نے صدر نکسن کے مجوزہ دورۂ چین کے بارے میں امریکی عوام کے ردِّعمل کے بارے میں لکھا ہے کہ امریکی عوام میں اس خبر سے خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے، اور انہوں نے صدر نکسن کے اس فیصلے کو مدبرانہ اور دانشوارانہ قرار دیا ہے۔ اور اب وہ انتظار کر رہے ہیں کہ اس دورے کی کیا تاریخ مقرر ہوتی ہے۔ امریکہ میں ویت نام کے سلسلے میں امریکی پالیسی کے خلاف تو مسلسل مظاہرے ہوتے رہتے ہیں۔ ان مظاہروں میں کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طالب علم، چیئرمین ماؤزے تنگ کی کتابیں بھی اٹھائے دکھائی دیتے تھے۔ بعض مظاہرین چیئرمین ماؤزے تنگ کی تصویریں لے آیا کرتے تھے۔ امریکی یونیورسٹیوں میں ماؤزے تنگ کے افکار بہت مقبولیت حاصل کر رہے ہیں۔ یہ عوام کے دباؤ کا نتیجہ ہے کہ صدر نکسن کو چین کے بارے میں اپنی پالیسی تبدیل کرنا

پڑی۔ اور انہوں نے چین کے قریب آنے کے لئے مختلف راستوں سے کوششیں کیں صرف امریکی عوام کی مخالفت کے سبب ہی نہیں بلکہ مسلسل شکستوں، امریکی فوجیوں اور ہتھیاروں کے بے پناہ نقصان نے بھی امریکہ کو ویت نام کے سلسلے میں اپنی پالیسی تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ صدر نکسن کو آئندہ انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے بھی یہ راستہ اختیار کرنا پڑا ہے۔ عوام کی قوت بہر حال فیصلہ کن ہوتی ہے۔ صدر نکسن عوام کے دھارے کو تاریخ کے دھارے سے الگ رکھنے کی کوششوں میں ناکام رہے۔ انہوں نے نوشتہ بر دیوار پڑھ لیا۔ تاریخ کے دھارے کو پھیرنے کی بجائے تاریخ کے تقاضے بھانپ لئے۔

مگر ان دنوں امریکہ کے سرمایہ دار بالخصوص ہتھیار بنانے والی فیکٹریوں کے گروپ انتہائی پریشان ہیں وہ صدر نکسن کے اس اقدام کو امریکی قوم کی توہین قرار دے رہے ہیں۔ ان کے نزدیک ایک امریکی مشیر کا چین جا کر چین کے وزیر اعظم سے بات چیت کرنا۔ امریکہ کی توہین ہے۔ چین کو اگر اقوام متحدہ کا رکن بننا ہے، امریکہ سے سفارتی تعلقات قائم کرنے ہیں تو چین کی کسی شخصیت کو امریکہ کا دورہ کرنا چاہیئے۔ چین سے تعلقات قائم کرنا امریکہ کی مجبوری نہیں ہے۔

دانشوروں کا ایک گروپ کہہ رہا ہے کہ چین سے سفارتی تعلقات قائم ہوئے بغیر ہی نئی نسل بڑی حد تک چین کی دلدادہ ہے ماؤزے تنگ کے افکار کا بہت ذوق وشوق سے مطالعہ کیا جا رہا ہے۔ سفارتی تعلقات قائم ہو گئے تو چین کو اپنا لٹریچر پھیلانے کا ایک بہت بڑا ذریعہ مل جائے گا، زمین پہلے ہی ہموار ہے، اس لئے سخت خطرہ ہے کہ امریکی نوجوانوں کی اکثریت کمیونزم کی طرف راغب نہ ہو جائے، صرف امریکہ میں ہی نہیں، امریکہ نواز مملکتوں میں بھی اس کا اثر پڑے گا پیکنگ کے پیغام میں دنیا بھر کے لئے دلچسپی تو پہلے ہی موجود ہے، اس طرح اگر چین اقوام متحدہ کا رکن بن گیا اور بیشتر ممالک سے سفارتی تعلقات قائم ہو گئے تو چینی کمیونزم کا راستہ روکنا مشکل ہو جائے گا۔ جب کہ امریکہ چین میں کوئی اثر نہیں ڈال سکتا کیوں کہ وہاں امریکی نظام کے خلاف اس قدر نفرت رات دن پھیلائی گئی ہے کہ اسے چینیوں کے دل سے محو کرنا بہت

باقی صفحہ ۳۰ پر ملاحظہ فرمایئں

ٹونی مسکرینہاس ـــــ حکومتِ پاکستان کے خرچ پر پاکستان سے بھاگا

مقبوضہ اخبارات میں گذشتہ چند ہفتے پہلے مارننگ نیوز کے اسسٹنٹ ایڈیٹر ٹونی مسکرینہاس کو بڑی شہرت ملی۔ دی ٹائمز میں ٹونی کی ایک رپورٹ کی اشاعت کے بعد سرکاری طور پر چار کالمی تردید بھی چھپی ہے۔ اس سے ٹونی کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ اتنا بڑا آدمی کہ حکومت کو اس کی تردید کرنا پڑی۔ اس کے باوجود پاکستانی عوام کے سامنے نہ تو مقبوضہ اخبارات نے ٹونی کی صحیح تصویر پیش کی ہے اور نہ ہی سرکار حقائق کی روشنی میں لندن کے ٹائمز کے منہ پر طمانچہ مار سکی ہے کہ وہ جسے ٹراٹسکی بناکر یورپ اور دنیا بھر کے عوام کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ وہ بین الاقوامی صحافتی آداب اور آزاد صحافت کے اصولوں کے منافی ہے۔ جبکہ ٹراٹسکی کی عظمت کو اس قسم کے بھگوڑے نہیں چھو سکتے۔ ایک جعلساز، دھوکے باز اور ڈبل ایجنٹ کی اصل تصویر یہ ہے۔

ٹونی ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت حکومت پاکستان کے خرچ پر مشرقی پاکستان گیا تھا۔ واپسی پر اس نے حکومت پاکستان کے ایک اعلیٰ افسر کو اپنے جال میں پھنسایا۔ یہ پتہ نہیں چل سکا کہ مذکورہ افسر کے سامنے اس ملاقات کے دوران اس کے بارے میں یہ معلومات تھیں کہ وہ ایک سرکاری محکمہ کی خدمت اپنے ایک رشتے دار کے ذریعے کرتا ہے۔ الفتح کے پاس اس امر کے زندہ ثبوت موجود ہیں کہ بعض اخبار نویس ضمیر فروش ہیں اور وہ سرکاری محکموں میں مخبر کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ ٹونی ان میں سے ایک تھا۔ شاید اس حیثیت میں اس پر زیادہ اعتماد کیا گیا اور اُسے لندن بھیج دیا گیا۔

الفتح نے ٹونی کے بارے میں جو چھان بین کی ہے اس کے مطابق اس نے سب سے پہلے حکومت پاکستان کے ساتھ دھوکہ کیا۔ ڈھاکہ سے کراچی پہنچنے پر اُس نے اسلام آباد میں ایک اعلیٰ سرکاری افسر سے رابطہ قائم کیا۔ اُسے یقین دلایا کہ وہ دی ٹائمز میں اپنا وہ مضمون چھپوادے گا جس میں مشرقی پاکستان میں علیحدگی پسندوں کے خلاف فوجی کارروائی کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ مجیب کو قصوروار ٹھہرایا گیا ہے۔ اس پر اس کو لندن آنے جانے کے اخراجات دے دیئے گئے۔ دی ٹائمز نے انتہائی مکاری کے ساتھ اس رپورٹ کو شائع کر دیا۔ اس سے ٹونی کا اعتماد اور بڑھا۔ پاکستان واپس آیا۔ اسلام آباد سے رابطہ قائم کیا۔ اب کی بار مذکورہ افسر اس پر پہلے سے زیادہ مہربان ہے۔ یہاں ٹونی نے ایک بار پھر لندن جانے کے لئے بہانہ پیش کیا کہ اس کی بہن کینسر کے موذی مرض میں مبتلا ہے۔ زندگی اور موت کا سوال ہے۔ وہ اور اس کے بیوی بچے اس موقع

ٹونی مکان، کار، فرج

بیچتا رہا ـــــ ہماری

سی آئی ڈی سوتی رہی

پر لندن جانا چاہتے ہیں۔ اس عرصے میں وہ دی لندن ٹائمز پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کرے گا اور مشرقی پاکستان سے متعلق حکومت پاکستان کا موقف چھپوائے گا۔ افسر مذکور نے حامی بھر لی اور اس طرح وہ دھوکہ دہی کی دوسری واردات میں کامیاب ہو گیا۔

لندن روانگی سے قبل ٹونی نے دونوں ہاتھوں سے روپیہ سمیٹا۔ مارننگ نیوز سے اپنے پراویڈنٹ فنڈ کی رقم جو پندرہ بیس ہزار روپے تھی، غلط بیانی کے ذریعے وصول کی۔ وہ پلاٹ فروخت کر دیا جو ادارہ ترقیات کراچی نے اسے بحیثیت صحافی الاٹ کیا تھا۔ اس کے عوض ٹونی نے تقریباً چالیس ہزار روپے وصول کئے۔ اپنے گھر کا تمام فرنیچر، ریفریجریٹر اور کار بھی بیچ دی اور کار کا نیا مالک اسے ائیرپورٹ اسی کار میں چھوڑ کر واپس آیا۔

سب سے مزے کی بات یہ ہے کہ ٹونی نے کراچی کے تین چار سود خور پٹھانوں سے پندرہ بیس ہزار روپے اینٹھ لئے تھے یہ کام اس نے اپنے مکان کے فرنیچر فروخت کرنے سے پہلے کیا تھا۔

یہ ٹونی کی اصل تصویر ہے۔ اس سے برطانوی اخبارات کی صحافت کے معیار کا بھی علم ہو جاتا ہے جن کو ہم آج تک مثالی صحافت کے نقیب خیال کرتے رہے ہیں۔ اس ضمن میں حکومت پاکستان کو بھی ضروری اقدامات کرنے چاہئیں آج بھی غیر ملکی اخبارات کے اکثر مقامی نمائندے ڈبل ایجنٹس کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہ پاکستان کے ایک محکمے سے اپنی خدمات کا معقول معاوضہ وصول کرنے کے ساتھ ساتھ غیر ممالک کے ایجنٹ کی حیثیت سے بھی بھاری معاوضہ وصول کر سکتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے محکمے کی رپورٹ کی روشنی میں انہیں محب وطن جان لے اور جب وہ لندن پہنچیں تو ٹونی مسکرینہاس بن جائیں۔ ویسے ہمیں یقین ہے کہ جو صحافی اپنے دیس کی دھرتی سے پیار کرتے ہیں۔ اس کے لئے جان قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ ان کا نام مذکورہ محکموں کی فہرس اور رجسٹروں میں باغیوں کے طور پر لکھا ہوگا۔ وہ نام زد ہوں گے اور انہیں پولیس کی نگرانی میں شب و روز گزارنے پڑتے ہوں گے۔

VALIKA CEMENT LTD KARACHI

adamjee

پردہ چاک

یہ ہفت روزہ "الفتح" کے انکشافات نہیں، سندھ کے لیبر ڈائریکٹریٹ کی خفیہ رپورٹ ہے

داؤد میں ننھے منّے بچّوں سے آٹھ آٹھ گھنٹے کام لیا جاتا ہے

وقائع نویس خصوصی

پاکستان نے گذشتہ بیس برسوں میں صنعتی میدان میں بہت ترقی کی ہے۔ شہروں میں صنعتی علاقے وجود میں آئے اور کئی صنعتی شہر آباد ہوئے۔ دیوہیکل مشینوں کا شور اور دھواں اُگلتی چمنیاں جگہ جگہ نظر آتی ہیں۔ ہزاروں چھوٹے اور بڑے کارخانے ملکی پیداوار میں اضافہ کر رہے ہیں۔ سوتی پارچہ جات کی صنعت میں پاکستان خود کفیل ہو گیا ہے۔ یہ صنعتی ادارے زیادہ تر نجی شعبہ کے ہیں۔ درحقیقت حکومت نے نجی سرمایہ کاری کی ہمت افزائی میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی۔

ملک کے مختلف گوشوں میں کارخانے قائم کرنے کے لئے حکومت نے سرمایہ داروں کو مالی امداد کے علاوہ مختلف سہولتیں مہیا کیں تاکہ ان کی حوصلہ افزائی ہو اور نجی شعبہ میں زیادہ سے زیادہ سرمایہ کاری ہو۔ سرمایہ داروں کو ٹیکس میں چھوٹ دی۔ ان ٹیکسوں میں "ٹیکس ہالیڈے" "انکم ٹیکس کی رعائت" اور "سرمایہ کاری الاونس" جیسی مراعات بھی شامل ہیں۔

ماضی کی حکومتوں نے سرمایہ داروں کی از حد حوصلہ افزائی کی اور یہ حوصلہ افزائی اس حد تک بڑھی کہ بعض صنعتیں جن میں سرمایہ کاری زیادہ ہوتی ہے اور فوری زیادہ منافع نہیں ہوتا، وہ پاکستان صنعتی ترقیاتی کارپوریشن نے لگائیں اور جب منافع کمانے کی نوبت آئی تو انہیں سرمایہ داروں کے ہاتھوں فروخت کر دیا گیا۔ پبلک سیکٹر کی یہ منافع بخش کارخانے صرف ایسے سرمایہ داروں کو دیئے گئے جو ارباب اقتدار اور اعلےٰ حکام سے میل ملاپ اور یارانہ رکھتے تھے۔ ایسے بارسوخ سرمایہ داروں میں داؤد کا نام سرِفہرست ہے۔

داؤد گروپ آف انڈسٹریز ۲۲ خاندانوں میں سے ایک ہے جس کے پاس سرمائے کی ریل پیل ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ وہ دست دولت آفریں جنھوں نے کل کے "ٹٹ پونجیا" داؤد کو "سیٹھ داؤد" بنا دیا۔ ایک کاٹن ملز سے پٹرولیم، بنک، انشورنس کمپنی، ریشمی اور اونی پارچہ جات کے کارخانوں اور کرنافلی پیپر ملز کا مالک بنا دیا۔ ان کی حالت اس ایٹمی اور ترقی یافتہ دور میں رہتے ہوئے بھی قرون اولیٰ کے ایک زرخرید غلام جیسی ہے اور ارب پتی داؤد اپنے ملازمین کی فلاح و بہبود، حالات کار کی بہتری کی جانب کوئی توجہ نہیں دیتا بلکہ انڈسٹریل لیبر آرڈیننس جس کے تحت محنت کشوں کو صرف جسم اور جان کا رشتہ برقرار رکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔ داؤد نے اس کے بھی چیتھڑے اُڑا دیئے ہیں۔

عوام سمجھتے ہیں کہ داؤد ارب پتی ہے وہ اپنے ملازمین کی فلاح و بہبود پر خاص توجہ دیتا ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ سہولتیں مہیا کرتا ہوگا۔ لیکن یہاں "اونچی دکان پھیکا پکوان" کا معاملہ ہے۔ ۲ جون ۱۹۷۱ء کو لیبر ویلفیئر ڈائریکٹریٹ نے یہ انکشاف کیا کہ "داؤد کاٹن ملز میں لیبر قوانین پر عمل نہیں کیا جا رہا ہے اور ڈائریکٹریٹ ملز کی انتظامیہ کے خلاف ضروری اقدامات کرنے والی ہے"۔

لیبر ڈائریکٹریٹ نے اپنی رپورٹ میں بتایا کہ "ملز کی انتظامیہ نے لیبر قوانین کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہوئے کم عمر کے بچوں کو بغیر ڈاکٹری سرٹیفکیٹ کے ملازم رکھا۔ اور ان ننھے منّے بچّوں سے پانچ گھنٹوں کی بجائے آٹھ گھنٹے کام لیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مشینری، اشیاء، اور پیداوار کے نقصانات کے بہانے ملازمین کی اُجرتوں سے غیر قانونی کٹوتی کی جاتی ہے اور انہیں صفائی کا موقع بھی نہیں دیا جاتا"۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ "ملز میں پینے کا پانی بالکل ناقص اور خراب ہے۔ فوری طبی امداد کا انتظام بھی ناکافی ہے اور کسی غیر متوقع حادثہ کے پیش نظر طبی سہولتوں کی ضرورت کو قطعی طور پر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ لیبر قوانین کی اعلانیہ خلاف ورزی ہے"۔

آدم جی کا نام بھی پاکستان کے ۲۲ خاندانوں میں شمار ہوتا ہے۔ ملک کے دونوں حصوں میں مختلف صنعتی ادارے، بنک انشورنس کمپنیاں کام کر رہی ہیں۔ چائے کے باغات الگ ہیں۔ یہ خاندان دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹ رہا ہے۔ یہ خاندان بھی محنت کشوں کو ان کے جائز اور قانونی حقوق دینے سے انکاری ہے اور دولت کے بل بوتے پر من مانی کارروائیاں کر رہا ہے۔ لیبر ویلفیئر ڈائریکٹریٹ کے حکام نے آدم جی کاٹن اور ٹیکسٹائل ملز کا اچانک معائنہ کیا۔ معائنہ کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ "دونوں ملز کی انتظامیہ فیکٹری ایکٹ ۱۹۳۴ء کی قطعی پابندی نہیں کر رہی ہے۔ کارکنوں سے زبردستی اور حسب منشا اوور ٹائم لیا جاتا ہے اوور ٹائم کی اطلاع انسپکٹر آف فیکٹریز کو بھی نہیں دی جاتی۔ اور نہ ہی چیف انسپکٹر آف فیکٹریز

آدم جی ملز کی کینٹین بھٹیارے کی دکان معلوم ہوتی ہے

کو معاونات سے مطلع کیا جاتا ہے۔" رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے " مشینوں پر حفاظتی کٹہرے نہیں لگائے گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے کسی بھی وقت کارکنوں کی جان خطرے میں پڑ سکتی ہے۔"

آدم جی ملز کی کنیٹین کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ " پہلی نظر میں وہ کسی بھٹیارے کی دکان معلوم ہوتی ہے۔ جگہ جگہ گندگی پھیلی دکھائی دیتی ہے۔ فرنیچر پر گرد جمی ہوئی تھی۔ بیٹھنے کا مناسب انتظام نہیں۔ اس کے علاوہ کنیٹین بہت چھوٹی ہے۔"

ایک اور بڑے اجارہ دار سرمایہ دار ہیں۔ موصوف کو ویلیکا کہتے ہیں۔ گزشتہ فروری میں جب مزدوروں نے ویلیکا ملز پر قبضہ کیا تو اس خاندان کے ایک فرد نے اپنی پریس کانفرنس میں مزدوروں کو مورد الزام گردانتے ہوئے بڑے فخر سے کہا تھا کہ " ہم حکومت کی مقرر کردہ کم از کم اُجرت سب کو دیتے ہیں۔" اسی خاندان کے ایک ملز کے بارے میں یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ " معائنہ کرنے والی جماعت نے ویلیکا سیمنٹ فیکٹری منگھوپیر میں لیبر قوانین کی دھجیاں اُڑتی ہوئی دیکھیں۔ مشینوں پر حفاظتی جنگلہ نہیں ہے۔ چھٹیوں کا ریکارڈ نہیں رکھا جاتا۔ اور کارکنوں کو طبی سہولتیں تک نہیں دی جاتیں۔" رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ویلیکا ملز کی انتظامیہ ایسی بدعنوانیاں اور لیبر قوانین کی خلاف ورزیاں کرنے کی عادی ہے کیونکہ اس سے پہلے بھی کئی واقعات منظر عام پر آچکے ہیں۔ اور اس سلسلے میں انتظامیہ کو جرمانہ بھی کیا گیا تھا۔

باوانی انڈسٹریز اور حسینی ٹیکسٹائل ملز کے بارے میں لیبر ویلفیئر ڈائریکٹریٹ کا کہنا ہے کہ " ان ملوں

ویلیکا سیمنٹ فیکٹری میں لیبر قوانین کی دھجیاں اُڑائی گئی ہیں

میں مشینوں کے حفاظتی کٹہرے نہیں لگائے گئے ہیں جس سے کارکنوں کو ہر وقت اپنی جانوں سے ہاتھ دھونے کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔ چیف انسپکٹر آف فیکٹریز کو مطلع کئے بغیر کارکنوں سے حسب منشا اوور ٹائم لیا جاتا ہے۔ کنیٹین کی حالت بہت خراب ہے! اس سلسلے میں مغربی پاکستان فیکٹریز کنیٹین رولز کی پابندی بالکل نہیں کی جاتی۔"

اس سلسلے میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ باوانی خاندان اپنی "اسلام پسندانہ" سرگرمیوں کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ اسلام کا سب سے بڑا دعویٰ دار کہلاتا ہے۔ دوسروں کو اسلام کے احکامات پر چلنے کی تبلیغ کرتا ہے۔ لیکن خود کیا کرتا ہے اس کا اندازہ لیبر ویلفیئر ڈائریکٹریٹ کی رپورٹ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

حسینی ٹیکسٹائل ملز کے مالک پاکستان کے بڑے صنعت کاروں کے ایک اہم ترین ترجمان ہیں۔ موصوف وفاقی ایوان تجارت و صنعت پاکستان کے صدر بھی رہ چکے ہیں۔ " قومی مفادات " کے ٹھیکیدار ہیں ان کی تقریروں کا محور " قومی مفادات " ہی ہوتے ہیں۔ ایک ایک لفظ قوم کے درد میں ڈوبا ہوتا ہے اور بقول شخصے موصوف قوم کے درد میں دبلے ہوئے ہیں۔ اپنے اس بہروپ اور لچھے دار تقریروں کی بدولت موصوف مختلف قومی اور غیر ملکی قرضے لینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ انھوں نے " قومی مفادات " کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے حکومت کی اسکیم " آمدنی کے مطابق ادائیگی " کے تحت قرضے پر کافی مشینری برآمد کی۔ ابھی حال ہی میں ان کے ادارے میں " آمدنی کے مطابق ادائیگی " کی اسکیم کے تحت ۱۶ ہزار تکلے اور تین ہزار کھڈیاں نصب کی گئی ہیں۔

یہ تو صرف چند " بڑوں " کا حال ہے۔ دوسرے بڑے خاندان بھی اسی طرح لوٹ کھسوٹ اور قانونی خلاف ورزیوں میں مصروف ہیں اور دونوں ہاتھوں سے دولت کما رہے ہیں۔



ویت نام کی

جنگِ آزادی کی ہیروئنیں

وہاب صدیقی

تاریک شب تھی۔ آسمان پر بادل چھاتے ہوئے تھے۔ ماحول پر پُرہول سناٹا تھا۔ دریا کی سرکش موجیں بھی دم توڑ چکی تھیں۔ دریا ان گنت داستانوں کو اپنے سینے میں چھپائے منزل کی طرف رواں دواں تھا۔ یکایک پانی میں ارتعاش پیدا ہوا۔ دریا میں لانچیں، کشتیاں اور گن بوٹیں دوڑتی نظر آئیں۔ پہلی گن بوٹ پر ایک لیفٹیننٹ دوربین لئے کھڑا تھا اور سرکنڈوں کے جھنڈ کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ "ہماری اطلاع کے مطابق آج رات گئے تک اس گاؤں میں جشن منایا گیا تھا۔ اس وقت دریائی محافظ کہیں نظر نہیں آ رہے۔ شاید جشن منانے کے بعد وہ خوابِ غفلت کے مزے لوٹ رہے ہوں گے۔" لیفٹیننٹ نے اپنے ساتھی سے کہا۔ وہ بات ختم کرنے بھی نہ پایا تھا کہ رائفل چلنے کی آواز آئی اور لیفٹیننٹ دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ دباتے کشتی میں گر پڑا۔ جوابا گن بوٹ سے بھاری مشین گن چلنی شروع ہو گئی۔ لانچوں اور کشتیوں نے بھی مشین گنوں کا دہانہ کھول دیا۔ سرکنڈوں کے جھنڈ میں چھپے ہوئے دریائی محافظوں نے بھی ٹامی مشین گنوں سے جواب دیا۔ دونوں جانب سے گولیوں کا تبادلہ ہونے لگا۔ زیادہ نقصان حملہ آور امریکی اور ویت نامی طفیلی فوج کا ہو رہا تھا۔ دریا کے کشادہ سینہ پر انہیں کوئی جائے پناہ نہیں مل رہی تھی۔ اس کے برخلاف سرکنڈوں میں چھپے ہوئے ویت کانگ حملہ آوروں کی نظروں سے اوجھل تھے۔ آدھے گھنٹے تک گولیوں کا تبادلہ ہوتا رہا تمام تر کوششوں کے باوجود ایک بھی کشتی یا لانچ کنارے تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ آخر حملہ آوروں کے کمانڈر نے پسپائی کا بگل بجایا وہ مڑے تو دیکھا کہ واپسی کا راستہ بھی منقطع ہو چکا تھا۔ ویت کانگ کی ہلکی کشتیوں نے ان کو گھیر لیا تھا۔ تعجب کی بات یہ تھی کہ تمام کشتیوں میں عورتیں سوار تھیں ان کی بندوقیں حملہ آوروں کو بھون رہی تھیں۔ پہلی کشتی میں ایک لڑکی کھڑی تھی وہ دستی بموں سے حملہ آوروں کشتیوں اور لانچوں کو تباہ کر رہی تھی۔ اس لڑکی نے امریکی کمانڈر کی گن بوٹ پر ایک دستی بم پھینکا۔ دھماکے سے کشتی ڈول گئی لڑکی نے دوسرا اور پھر تیسرا بم پھینکا۔ کشتی کے پرخچے اڑ گئے۔ کمانڈر کے مرتے ہی حملہ آوروں نے ہتھیار ڈال دیئے۔

شمالی ویت نام کے صوبے کوانگ ینہہ کے اس گاؤں کی حفاظت عورتوں کا ایک فوجی دستہ کر رہا تھا۔ بیس سالہ نگو تھائی تھام اس دستے کی کمانڈر تھی۔ نگو تھائی تھام بے شمار لڑائیوں میں حصہ لے چکی ہے۔ جرأت اور بہادری میں وہ ہر نوجوان ویت کانگ سے چار ہاتھ آگے ہے، انتہائی کم گو، سنجیدہ لڑکی ہے۔ اسے بہت ہی کم مسکراتے دیکھا گیا ہے۔ لڑائی کے بعد زخمیوں کی تیمارداری، طبی امداد اور حریت پسندوں کے کپڑوں کی مرمت اور سلائی میں خاصی دلچسپی لیتی ہے۔ وہ نظریاتی اعتبار سے بہت باشعور ہے۔ اپنے دستے کی سیاسی تعلیم بھی اسی کے سپرد ہے۔ اس کی قیادت میں عورتوں نے بے شمار امریکی اور ویت نامی طفیلی فوج کی کشتیوں اور لانچوں کو تباہ کیا اور بحری جنگی جہازوں کو نقصان پہنچایا۔ ان دلیرانہ خدمات کے عوض گزشتہ دنوں

کشتیوں میں سوار خواتین نے امریکی فوجیوں کو بھون کر رکھ دیا

اس گے دستے کو "ہیروئنگ دستہ" کا خطاب دیا گیا۔ اس موقع پر پورے گاؤں والوں نے جشن منایا۔ نگو تھائی تھام اس دن نہایت سنجیدہ اور خاموش تھی۔ جب اسے مبارکباد دی گئی۔ تو اُس نے کہا "ہمارے دستے نے تو اتنی خدمات ادا نہیں کیں جتنی جنوبی ویت نام کی حریت پسند عورتوں نے کی ہیں بلکہ ہماری خدمات کامریڈ تران تھائی لی کی خدمات کے مقابلے میں بالکل صفر ہیں۔ یہ "ہیروئنگ یونٹ" کا خطاب دے کر ہمارے کندھوں پر بہت بڑی ذمہ داری ڈال دی گئی ہے۔"

۶۰ برس میں جوان عزائم

کامریڈ تران تھائی لی اگرچہ ساٹھ سال کی ہو چکی ہے لیکن اس میں نوجوانوں جیسی پھُرتی اور ہمت ہے۔ ایک دن میں دریا کے بیس بیس پھیرے لگاتی ہے۔ نحیف و نزار تران تھائی لی ڈو ہنگ ہو فوجی دستے کی قائد ہے۔ ہولناک بمباری کے دوران انٹی ایئر کرافٹ کے عملے کو خوراک پہنچائی ہے۔ ایک مرتبہ اس کے ساتھی نے مشورہ دیا کہ اتنا خطرہ مول نہیں لیا کرو، جواباً تران تھائی لی نے کہا۔ "مجھے موت کی پرواہ نہیں، آزادیِ وطن کی راہ میں جان دینے سے بڑی سعادت اور کونسی ہو سکتی ہے مجھے اپنے ہتھیاروں کی زیادہ فکر رہتی ہے کہ وہ محفوظ رہیں تاکہ میرے بعد دوسرے ساتھی اُسے استعمال کریں اور امریکی لٹیروں کو نیست و نابود کر دیں۔"

تران تھائی لی ایک ماہی گیر کی بیٹی ہے۔ جب وہ نوجوان تھی تو اُس نے زندگی کے سنہرے خواب دیکھے تھے۔ یہ تمام خواب امریکی سامراج نے منتشر کر دیئے۔ ایک امریکی حملہ میں اس کا باپ ہلاک ہو گیا اس وقت تران تھائی لی کی عمر صرف سترہ برس تھی۔ باپ کی موت نے اس کے دل میں امریکی سامراج کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکا دی۔ وہ حریت پسندوں میں شامل ہو گئی اور جرأت اور بہادری کے اتنے کارنامے انجام دیئے کہ ویت نام ورکرز پارٹی کو اپنے ممبر سازی کے ضابطہ میں ترمیم کرنی پڑی اور اٹھارہ سال کی عمر ہونے سے پہلے ہی اسے پارٹی کا رکن بنا لیا گیا۔

ایک ہیرو کئی جیالوں کو جنم دیتا ہے

دریائے ہاتھ لی کے کنارے ماہی گیروں کا باونگ نامی گاؤں واقع ہے۔ گاؤں کے وسطی میں چچی چووک کی یادگار بنی ہوئی ہے۔ ہر شام حریت پسند اور گاؤں کے بچے، بوڑھے، عورتیں اور مرد یہاں عقیدت کے پھول نچھاور کرنے آتے ہیں اور امریکی سامراج کو اپنے دیس سے نکالنے کا عزم کرتے ہیں۔ چچی چووک اگست ۱۹۶۸ء میں دریا ہاتھ لی میں ایک امریکی جنگی بحری جہاز سے مقابلہ کرتی ہوئی شہید ہوئی تھی۔ اس وقت چچی چووک ساٹھ سال کی تھی۔ سر کے بال سفید ہو چکے تھے لیکن اس کی ہمت جواں تھی۔ ایک دن میں اپنی چھوٹی کشتی سے دریا کے چالیس چالیس چکر لگاتی تھی۔ حب الوطنی کا عالم یہ تھا کہ ایک مرتبہ بیمار ہوئی۔ لیکن بیماری کے عالم میں بھی اپنے فرائض سے غافل نہیں ہوتی۔ لوگوں کے منع کرنے کے باوجود محاذ پر ڈٹی رہی۔

چچی چووک کے جذبے نے گاؤں کی عورتوں میں بھی آزادی کی جوت جگا دی ۳۸ سالہ کھاد دیدی گھر بار چھوڑ کر عورتوں کے فوجی دستے میں شامل ہو گئی۔ ایک مرتبہ امریکی اور جنوبی ویت نامی بحریہ نے گاؤں پر حملہ کیا۔ حریت پسندوں نے انہیں دریا ہی میں گھیر لیا۔ گھمسان کا رن پڑا۔ دشمن کے طیارے بھی اپنی بحریہ کی مدد کر رہے تھے۔ کھاد دیدی ایک کشتی کی کمانڈر تھی، اور اس کا شوہر بھی ایک کشتی میں دشمن سے برسرِ پیکار تھا۔ ویت نامی جیالوں نے اپنی بے سروسامانی کے باوجود دشمن کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ میدان صاف ہونے کے بعد دیدی کھاد نے دیکھا کہ حریت پسندوں کی ایک کشتی ڈوب رہی ہے اور کشتی میں سوار تمام افراد زخمی ہیں وہ فوراً مدد کو پہنچی۔ دیکھا کہ اس کشتی میں اس کا شوہر بھی سوار تھا وہ سخت زخمی تھا۔ تین گولیاں اس کی ٹانگوں میں لگی تھیں۔

بیوی کو دیکھ کر شوہر نے درد و کرب میں ڈوبی آواز میں کہا "مجھے سہارا دو"، کھاد دیدی کے دل میں شوہر کی محبت جاگ اٹھی وہ سہارا دینے کے لئے آگے بڑھی کہ اتنے میں ایک دوسرے زخمی کی آواز سنائی دی



کھاد دیدی نے مڑ کر اس زخمی کی طرف دیکھا اور اپنے شوہر سے کہا "وہ ساتھی تم سے زیادہ زخمی ہے پہلے اسے طبی امداد پہنچا دوں پھر تمہاری مدد کروں گی۔" یہ کہہ کر وہ اس زخمی کی مرہم پٹی میں مصروف ہو گئی۔

اس واقعہ کے بعد ایک لڑائی میں کھاد دیدی کا شوہر ہلاک ہو گیا۔ لوگوں نے تعزیت کی تو کھاد دیدی نے جواب دیا۔ "شہید کی موت کا سوگ نہیں منایا جاتا ہمیں حالت جنگ میں اتنی فرصت نہیں کہ ہم اپنے مجاہدوں کی موت کا غم منائیں۔ شہیدوں کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہم دشمن پر بھرپور وار کریں۔ ہمارا ہر وار شہیدوں کو خراجِ تحسین پیش کرے گا۔"

آن وک کی بہادر لڑکی

تھانہ ہوا صوبے کے شمال میں آن وک ایک گاؤں ہے۔ اس گاؤں کی ہین نامی ایک لڑکی پل کی

باقی صفحہ ۳۰ پر ملاحظہ فرمائیں

برطانیہ اور روس نے اپنے سفارتخانوں پر "بنگلہ دیش" کا پرچم لہرایا

محمود شام

۲۳ مارچ کے "پیپل" میں بھی مغربی پاکستان کے سرمایہ داروں کے اشتہاروں کی بھرمار کا وہی عالم ہے ـ یہ اشتہار ان دنوں دیئے جا رہے تھے جب یہ سرمایہ دار مغربی پاکستان میں "بزنس ٹھپ ہو گیا" کا شور مچا رہے تھے ـ اور اشتہار دینے سے قطعی معذوری کا اظہار کر رہے تھے، اس وقت مشرقی پاکستان میں کالعدم عوامی لیگ کے ترجمان پر اشتہارات کی بارش ہو رہی تھی ـ

کامرس بنک لمیٹڈ کا اشتہار

فینسی خاندان کے کامرس بنک لمیٹڈ کا اشتہار ملاحظہ کیجئے ـ غریبوں اور مزدوروں کا خون چوسنے



کامرس بنک لمیٹڈ کا اشتہار جو "پیپل" میں شائع ہوا

والے خاندان کی طرف سے دعویٰ دیکھئے متن ہے:

"عوام کے ساتھ ہوں، تھا، رہوں گا"

یہ اشتہار صفحہ اول پر ہے

مسلم کمرشل بنک لمیٹڈ کا اشتہار

آدم جی کے بنک کے اشتہار میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے:

"مسلم کمرشل بنک بنگلہ دیش کے عوام کی خدمت کرنا اپنے لئے باعث فخر سمجھتا ہے"

یہ بات خاص طور پر نوٹ کیجئے:

"اس کی مشرقی خطے میں موجود تمام جائیداد بنگلہ دیش میں ہی استعمال ہوتی ہے"

داؤد گروپ آف انڈسٹریز

گزشتہ ہفتے تک تو میں صرف لفظوں میں یہ تصویریں کھینچ رہا تھا ـ اب مجھے "پیپل" کے کچھ شمارے مل گئے ہیں ـ ان میں سے بعض اشتہارات کی تصویریں بھی آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں ـ داؤد انڈسٹریز کے اشتہار میں بنگلہ دیش کا نقشہ اور بیچ میں مجیب کی تصویر ـــــ اور عزم یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ بنگلہ دیش کی تعمیر کے لئے دل و جان سے حاضر ـــــ

باٹا کا اشتہار

آخری صفحے پر باٹا کا اشتہار ہے ـ آدھے صفحے کا ـ اس میں بنگلہ دیش کا نقشہ ہے اور اس میں "جے بنگلہ" کی نظم دی گئی ہے ـ

حبیب بنک کا اشتہار

اسی صفحے پر حبیب بنک لمیٹڈ کا اشتہار ہے ـ ۲۴ ـ انچ کا ـ اس میں ایک پاؤں کا نشان دیا گیا ہے ـ متن یہ ہے: یہ کالا نشان، اس قوم کے پاؤں کا ہے، جو اپنے حقوق کے حصول کے لئے خونیں راہوں سے گذر رہی ہے، ہم خود کو اس

پاکستانی فوج کو
درندہ صفت کہنے والے اخبار
میں پاکستان ائیر فورس میں
بھرتی کا اشتہار دیا

کی خدمت کے لئے وقف کرتے ہیں۔

اور اس کے ساتھ اس عزم کا اظہار کیا گیا ہے:-

"بنگلہ دیش کی معیشت کو مضبوط کرنے کے لئے ہم بنگلہ دیش کی دولت بنگلہ دیش ہی میں صرف کرتے ہیں۔"

پہلے تو اس بات کا ثبوت ان سرمایہ داروں سے لیا جائے کہ کیا واقعی یہ بنگلہ دیش کی دولت بنگلہ دیش میں صرف کرتے رہے ہیں اور یہ ظاہر کرکے کہ بنگلہ دیش میں موجود تمام جائیداد بنگلہ دیش کے لئے استعمال ہوتی ہے، کیا علیحدگی کے تصور کو فروغ نہیں دیا جارہا، اقتصادی علیحدگی ـــ جغرافیائی علیحدگی۔

داؤد نے اپنے تمام وسائل "بنگلہ دیش" کے لئے وقف کردیئے

نئے پرچم کا طلوع

اس اخبار میں یہ خبر بھی دی گئی ہے:

آج ایک نئے پرچم کا طلوع ہوا ہے ایک پرچم ـــ بنگلہ دیش کے سنہرے نقشے کے ساتھ۔ جو سُرخ دائرے میں موجود ہے اور اس کے چاروں طرف چوکور ـــ سبز زمین ہے۔ موجودہ دنیا کی مختلف قوموں اور ملکوں کی نمائندگی کرنے والے پرچموں کی فہرست میں ایک تازہ اضافہ یہ "آزاد بنگلہ دیش" کا پرچم ہے۔ یہ جھنڈا ساڑھے سات کروڑ بنگالیوں کی آزادی کی علامت ہے۔"

بھٹو کا کارٹون

مسٹر بھٹو کا ایک کارٹون اس اشاعت میں دیا گیا ہے اور ساتھ یہ خبر سنائی گئی ہے کہ بھٹو اپنا دوسرا دن بھی حقیقی معنوں میں قید میں گزارتا ہے

۲۴ مارچ کا "پیپل" اور بھی زبردست ہے۔ کیونکہ یوم مزاحمت کے روز یہ پرچہ تیار ہوا۔ اس میں صفحہ اول پر یہ سرخی یہ تھی۔

"بنگلہ دیش میں نئے دور کی صبح"

"آزادی کا پرچم ـــ شہیدوں کے خون کے نشانات کے ساتھ پیدا ہو گیا۔"

ایک طرف ایک چار کالمی کارٹون بنایا گیا ہے۔ جس میں ایوان صدر سے صدر یحییٰ اور مسٹر بھٹو دور بین کے ذریعے دیکھ رہے ہیں۔ صرف ایوان صدر پر پاکستان کا پرچم لہرا رہا ہے۔ باقی تمام شہر پر بنگلہ دیش کے پرچم لہراتے دکھائے گئے ہیں اور سیکرٹریٹ اور ہائی کورٹ کی عمارتوں کو زیادہ نمایاں کرکے دکھایا گیا ہے۔ مسٹر بھٹو کے منہ سے یہ الفاظ نکلوائے گئے ہیں جو وہ صدر

باقی صفحہ ۱۴ پر ملاحظہ فرمایئں

یہ سرسیّد اسکول نہیں اب نہاری کی دکان ہے

برنس روڈ پر اسکولوں کی جگہ دکانیں بنائی جارہی ہیں

عبدالحمید چھاپرا

۱۲ جولائی ۱۹۷۱ء کو کراچی ریجن کے پرائمری اور سیکنڈری اسکول گرمیوں کی تعطیلات کے بعد دوبارہ کھل گئے۔

شہر کے گنجان آباد علاقے برنس روڈ، فریئر روڈ، آرٹیلری میدان کے سینکڑوں معصوم پھول سے بچے علی الصبح مُنہ کر اسکول جانے کے لئے اپنے رنگ برنگے یونیفارمز میں تیار ہوگئے لیکن تیرتھ داس روڈ پر واقع سرسید انگلش ٹیچنگ اسکول (متصل حبیب بنک برنس گارڈن) کے دروازے پر پہنچتے ہی اُن کی ساری خوشی، شگفتگی پژمردگی میں تبدیل ہوگئی۔ اور کیوں نہ ہوتی ....

اساتذہ اور استانیوں کے مانوس چہروں، چھوٹے چھوٹے بنچ، ڈیسک، کتابوں کی الماریوں اور تختہ سیاہ کی جگہ درجنوں راج، بڑھئی اور دوسرے کارگیر ٹیبل، کرسیاں، نعمت خانے و دیگر اشیاء تیار کرنے میں مصروف تھے۔ اسکول کے لکڑی کے دروازے کی جگہ لوہے کے بڑے بڑے روشٹر نصب کئے جا رہے تھے۔

ننھے منھے بچے اور بچیاں اپنے اپنے اسکول کی نئی ہیئت دیکھ کر سکتے میں آگئے۔ کاریگروں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ جو مولانا حسینی جامہ بلڈنگ کے ان بڑے کمروں میں گزشتہ بیس سال سے اسکول چلا رہے تھے وہ اپنی دکان بڑھا گئے اور اس جگہ جدید طرز کا "بھٹیار خانہ" قائم کرنے کی شب و روز تیاریاں ہو رہی ہیں۔

اس چھوٹی سی زندگی میں اس قدر تلخ حقیقت سے دوچار ہونے کے بعد معصوم اور افسردہ چہرے جب گھر لوٹے اور والدین کو حالات سے آگاہ کیا تو دو ماہ قبل بچوں کو اسکول میں داخل کروانے کے لئے لاکھوں جتن کرنے والے والدین پر جیسے اوس پڑ گئی ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ گرمیوں کی تعطیلات کے دوران اتنا بڑا سانحہ بھی ہوسکتا ہے۔

تفتیش کرنے پر معلوم ہُوا کہ نظامتِ تعلیمات کراچی سے رجسٹر شدہ سرسیّد انگلش ٹیچنگ اسکول کے کرتا دھرتا بارلیش بزرگ جناب آفتاب احمد نے ایک موٹی "پگڑی" (رہائشیوں کے بیان کے مطابق مبلغ پینسٹھ ہزار روپیہ) لے کر اسکول کی جگہ شہر کے ایک معزز ہوٹل والے جناب ملک مخدوم کو پندرہ روز قبل فروخت کر دی۔

والدین کے بیان کے مطابق اس اسکول میں جہاں آٹھویں جماعت تک کی تعلیم کا انتظام تھا۔ ۴ تا ۱۴ سال کی عمر کے قریباً چار سو بچے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اسکول میں شام کے وقت نویں اور دسویں جماعت کے طلباء اور طالبات کی کوچنگ کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ گزشتہ بیس سال سے جس جگہ پر قوم کے نونہالوں اور ہونہاروں کو تعلیم دی جارہی تھی اب اس جگہ "ملک صاحب" ایک جدید طرز کا نہاری ہاؤس قائم کر رہے ہیں، تاکہ علاقے کے "چٹورے" باشندوں کے ذوق کی تسکین ہو سکے۔ یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ اس علاقے میں آدھ درجن سے زائد نہاری ہاؤس پہلے سے قائم ہیں جو دن رات اہلِ ذوق کی خدمت کرتے ہیں۔

امسال برنس روڈ کے علاقے کے لوگوں پر یہ آفت پہلی بار نازل نہیں ہُوئی کیونکہ اپریل میں اے ایم نمبر کا تقریباً بیس سال پرانا پروگریسو انگلش اسکول (سابق سینٹ زیویرز انگلش اسکول)، جو ایک پڑے

کے بیوپاری کی ملکیت تھا۔ تجارتی نقطہ نظر کے تحت بند کر دیا گیا۔ اس اسکول کے بند ہونے سے بھی سینکڑوں بچے تعلیم سے محروم ہوگئے۔ یہاں یہ بات خالی از دلچسپی نہ ہوگی کہ اسکول کا فرنیچر، پنکھے، اور دیگر اشیاء کا عام نیلام کیا گیا۔ اور اس طرح تعلیمی ادارے کے تقدس کا مذاق اڑایا گیا۔

اس طرح بعض وجوہ کی بنا پر کریسنٹ انگلش اسکول اے ایم نمبر ۲ بھی گذشتہ تعلیمی سال کے اختتام پر بند کر دیا گیا۔

عروس البلاد کراچی میں جہاں ہر چیز کی افادیت تجارتی نقطۂ نظر سے دیکھی جاتی ہے۔ ایک علاقے میں چند مہینوں کے دوران یکے بعد دیگرے تین اسکولوں کا بند ہو جانا انتہائی افسوسناک امر ہے۔ اور اس صورت میں یہ بات زیادہ سنگین ہو جاتی ہے۔ جب کہ یہ ادارے نظامتِ تعلیمات سے رجسٹر شدہ ہوں۔ اور چھوٹی عمر کے سینکڑوں بچے ان میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

موٹی موٹی رقموں کی خاطر سرکاری بیت الخلائیں، حمام خانے، جانوروں کے پانی پینے کی جگہیں۔ سڑکیں فروخت کرنے کے واقعات تو لوگوں کے علم ہی تھے۔ لیکن خطیر رقموں اور موٹی موٹی پگڑیوں کی خاطر اسکولوں کی جگہوں کو فروخت کرنے کے واقعات حال ہی منظرِ عام پر آتے ہیں۔

سرکاری گرانٹوں میں خرد برد۔ اسکولوں، اور کالجوں کے بڑھا چڑھا کر دکھائے جانے والے اخراجات، اسپورٹس فنڈ، تعمیرات کے فنڈ میں خُرد بُرد۔ یونین فنڈ کے پیسوں میں غبن اور اساتذہ کو کم تنخواہیں دیکر زائد تنخواہوں کی رسیدیں حاصل کرنے کے واقعات کیا کم تھے کہ اب تعلیمی شعبے میں اسکولوں کی عمارتوں اور جگہوں کو موٹی موٹی رقموں کے عوض فروخت کرنے کی روش چل پڑی ہے۔

تعلیمی حکام کب تک حقائق سے چشم پوشی کرتے رہیں گے۔ اور کب تک اس ملک میں تعلیم کی تجارت اور ملک کی جڑیں کھوکھلی کرنے والوں کی سرپرستی کی جاتی رہے گی۔

چین کے قونصلیٹ جنرل سے پاکستان کا پرچم زبردستی اُتار کر پھینک دیا گیا بقیہ صفحہ ۱۲ سے آگے

یحییٰ سے خطاب کر کے کہہ رہے ہیں:

"سر! مجھے اور کہیں پاکستان کا کوئی نشان دکھائی نہیں دیتا۔"

یونائیٹڈ بنک کا اشتہار

صفحہ اول پر یونائیٹڈ بنک کا ۴۰ انچ کا اشتہار ہے

پی او اے سی کی فرمانبرداری

برطانیہ کی فضائی کمپنی نے بھی مجیب کے احکامات کی تعمیل کی۔ اس کا فخریہ اعلان بی بی سی کے ایک اخباری بیان میں کیا گیا ہے۔ پی او اے سی کے ڈسٹرکٹ سینئر مینجر مسٹر رضا حسین نے کل بتایا کہ بنگلہ دیش میں موجود پی او اے سی کے تمام قائم عوامی لیگ کے سربراہ شیخ مجیب الرحمٰن کے احکامات پر عملدرآمد کر رہے ہیں۔

غیر ملکی قونصل خانوں پر بنگلہ دیش کے پرچم

برطانوی ہائی کمیشن اور روس کے قونصلیٹ جنرل پر شادین بنگلہ دیش کینڈریا چھاترا سنگرام پریشد کی اپیل پر بنگلہ دیش کا جھنڈا لہرایا۔ روسی قونصلیٹ جنرل نے اس ستون پر اپنے جھنڈے کے نیچے بنگلہ دیش کا پرچم لہرایا اور برطانوی ہائی کمیشن نے بنگلہ دیش کا پرچم لہرانے کے لئے ایک نیا پلیٹ فارم بنوایا۔ اور یونین جیک کے ساتھ ساتھ بنگلہ دیش کا پرچم بھی لہرایا۔

چینی قونصلیٹ جنرل نے بنگلہ دیش کا پرچم نہیں لہرایا

چینی قونصلیٹ جنرل نے "یوم مزاحمت" کے موقع پر پاکستان کا پرچم ہی لہرایا۔ لیکن بعد میں کچھ لوگوں نے قونصلیٹ کی عمارت پر چڑھ کر زبردستی پاکستانی پرچم اُتار پھینکا۔ اور اس کی جگہ بنگلہ دیش کا پرچم لہرا دیا۔ یہ اے پی پی کی خبر ہے۔

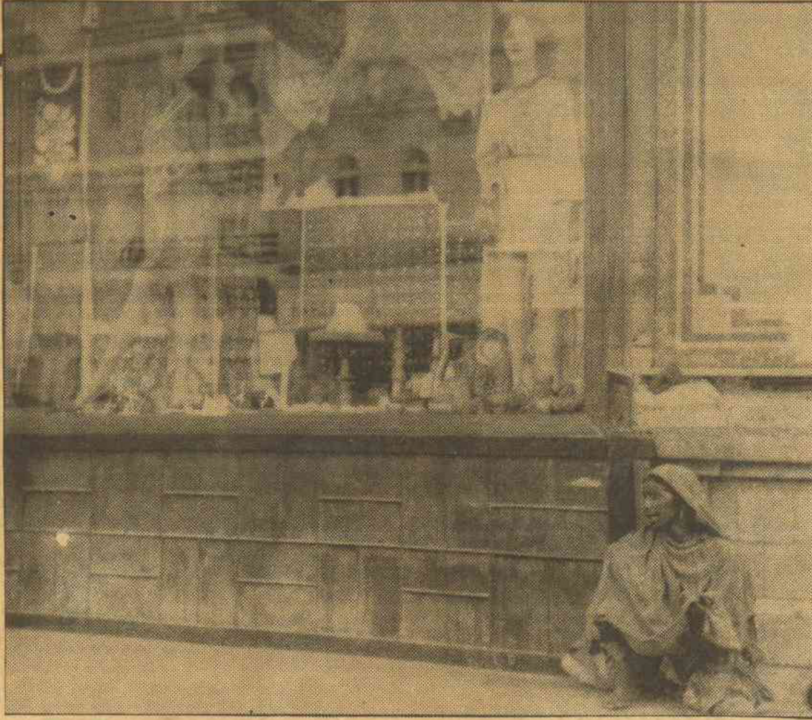
آخری صفحے پر یوم مزاحمت پر مسلح پریڈ کی تصاویر دی گئی ہیں۔ جس میں نوجوان لڑکے لڑکیاں باقاعدہ رائفلیں بندوقیں لے کر پریڈ کر رہے ہیں۔ سلامی دے رہے ہیں۔

صفحہ ۲ پر ایک مضمون نگار اے ایچ خان نے پاکستان آرمی ۔ ۱۹۵۸ء سے ۱۹۷۱ء تک لکھا ہے۔ جس میں پاکستان آرمی کے ہاتھوں ظلم و تشدد کی کہانیاں لکھی گئی ہیں۔ اس کے عین سامنے صفحہ ۳ پر سا سا ایڈورٹائزرز کی طرف سے "پاکستان ایئر فورس کالج سرگودھا" کا ۳۰ انچ کا اشتہار شائع ہوا ہے۔ اشتہار دینے والوں کی عملی فراست دیکھیے کہ جس زمانے میں "پیپل" گزشتہ ۲۴ روز سے مسلسل اور اس سے پہلے سے مستقل پاکستانی افواج کے خلاف نفرت پھیلا رہا ہے۔ اور بالخصوص مارچ کے اس ہفتے میں تو اس نے بات انتہا کو پہنچا دی ہے اس وقت سا سا ایڈورٹائزر پاکستان ایئر فورس میں بھرتی کی ترغیب دینے کے لئے "پیپل" کے صفحات کا انتخاب کرتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ "پیپل" کے انقلابیوں کی حالت پر بھی ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے کہ وہ ایک طرف پاکستان آرمی کو درندہ صفت، ظالم، ستمگر، غاصب اور بنگلہ دیش کو خالی کرنے کی تحریک چلا رہے ہیں۔ اپنے صفحات کی حد تک بنگلہ دیش کو پاکستان سے الگ کر چکے ہیں۔ بنگلہ دیش ایک علیحدہ اور دنیا کی آٹھویں بڑی مملکت بن چکا ہے۔ دوسری طرف وہ چند سو روپوں کے لئے پاکستان ایئر فورس کا اشتہار چھاپ رہے ہیں، جس میں بھرتی کے بعد سرگودھا یعنی مغربی پاکستان بلکہ پاکستان جانا پڑے گا۔ اور پھر اس "درندہ صفت، ظالم، ستمگر اور غاصب" فوج میں شامل ہونا ہوگا۔ عجیب منطق ہے یہ بھی

(جاری ہے)

(اس سلسلے کی آخری قسط سالنامے میں ملاحظہ کیجئے)

الفنسٹن سٹریٹ میں پاکستان کو تباہ کرنے کی سازش



پاکستان کو لاکھوں روپے کے زرِ مبادلہ کا نقصان

نعیم آروی

الفنسٹن اسٹریٹ میں پاکستان کو تباہ کرنے کی بہت بڑی منظم سازش کا انکشاف ہوا ہے۔

باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ لاکھوں روپیہ غیر ملکی زرمبادلہ کی شکل میں دوسرے ملکوں میں بھیجا جا رہا ہے۔ اور اس کے بدلے ایسی اشیا منگوائی جا رہی ہیں جن کی یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور پھر مالدار لوگوں کو طرح طرح سے ترغیب دے کر غیر ضروری اشیا خریدنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔

اس سلسلے میں "الفتح" کے نمائندہ خصوصی خود موقع واردات پر گئے تو انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کراچی کا سب سے بڑا کاروباری علاقہ الفنسٹن اسٹریٹ بھی ان دنوں ایک خوفناک سازش کا گڑھ بنا ہوا ہے۔ الفتح کو خصوصی ذرائع سے معلوم ہوا کہ اس سازش میں شہر کے کئی بڑے سرمایہ دار اہم کردار انجام دے رہے ہیں۔

نمائندہ "الفتح" اس بات کی تصدیق کے لئے الفی کی ایک دوکان پر پہنچا اور مرمر کے ایک الیشٹرے کی قیمت دریافت کی۔ دکاندار نے بتایا "ــــــ ایک ہزار ۴ سو تیس روپے ــــــ"

ایک ہزار ۴ سو تیس روپے ایک معمولی الیشٹرے کی قیمت، "بھلا اتنے مہنگے داموں میں اسے کون خریدے گا۔" جواب ملا "اگر اس کے خریدار نہ ہوں تو پھر اسے بنانے کی کیا ضرورت ہے؟"

الفی، خوبصورت اور حسین الفی، کراچی کے ماتھے کا جھومر، اس سازش سے بے خبر شام کے سرمئی دھندلکے میں غازہ لگے رخسار کی طرح نظر آ رہی ہے۔ یہاں اس وقت زندگی اپنی تمام تر رعنائیوں اور نزاکتوں کے ساتھ بیدار ہے۔ فٹ پاتھوں پر جوان جسموں کا ہجوم آہستہ خرام ہے۔ سرسراتے ہوئے دوپٹوں اور لہراتے ہوئے آنچلوں سے یوڈی کلون اور ایوننگ ان پیرس کی لپٹیں نکل رہی ہیں۔ فٹ پاتھ کے ساتھ ہی کاروں کی قطاریں تا حد نظر پھیلی ہیں۔ الفی کی دکانیں گاہکوں سے بھری ہیں۔ شہر کے اعلےٰ طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ خریداری میں مصروف ہیں۔ بیگمات قیمتی سامان سے لدی پھندی باہر نکلتی ہیں۔ اور کاروں میں بیٹھ کر روانہ ہو جاتی ہیں۔ گیفٹ ہاؤس کے نیچے ایک میلی کچیلی عورت ہاتھ پھیلائے بھیک مانگ رہی ہے۔ راہگیر اس پر ایک اچٹتی نظر ڈالتے ہوئے بے اعتنائی سے گذر جاتے ہیں۔

"بیگم صاحبہ! خدا کے واسطے ایک آنہ۔ میرے بچے بھوکے ہیں۔"

"اوں، کم بخت یہ کہاں سے آمرتی ہیں ــ راستہ چلنا دشوار ہے۔" بیگم صاحبہ حقارت سے اس پر نظر ڈالتے ہوئے اپنی کار کی جانب بڑھ جاتی ہیں۔ گفٹ ہاؤس کے شوکیس میں تانبے کے منقش برتن اور تحائف سجے ہوئے ہیں۔ اس کے اندر ایک عورت کا ایک مجسمہ بھی رکھا گیا ہے اُسے قیمتی ساڑی، بلاؤز اور ہاروں سے بنا سنوار کر اس طرح کھڑا کیا گیا ہے کہ پہلی نظر میں اس پر حقیقت کا گمان گزرتا ہے۔

"خدا کے نام پر ایک آنہ، میرے بچے ..."

تحائف کی ایک دوکان قیمتی سامان سے بھری

ایش ٹرے کی قیمت ڈیڑھ ہزار روپے

لوٹے کی قیمت ۴،۵۰ روپے، قالین چھ ہزار کا



ہوئی ہے۔ سامنے تانبے کا ایک بہت بڑا آفتابہ رکھا ہے۔ ڈرائنگ روم کی تزئین میں کام آتا ہے اس کی قیمت ۴۷۵ روپے ہے۔ آرڈر پر زیادہ قیمتی آفتابہ بھی تیار ہوتا ہے۔ چھوٹے سائز کے آفتابے دو سو ۵۰ روپے تک ملتے ہیں۔ اس دکان میں تحائف کے سامان ہزاروں روپے میں ملتے ہیں۔ کسی معمولی تحفہ کی کم سے کم قیمت ڈیڑھ سو روپے ہے۔

ایک آفتابہ کی قیمت ۴ سو ۷۵ روپے ہے۔ آفتابے کی بائیں جانب شیشم کی بنی ہوئی چھوٹی چھوٹی میزیں رکھی ہیں۔ بے حد نفیس اور خوبصورت۔ ان پر ہڈی کا کام کیا ہوا ہے۔ ایک کی قیمت ۳ سو روپے ہے۔ اسی ڈیزائن کی ایک بڑی میز کی قیمت ۸ سو روپے بتائی گئی۔

کاؤنٹر کلرک نے بتایا "اس قسم کی میزیں تحفہ میں پیش کی جاتی ہیں، بڑے لوگ خریدتے ہیں۔"

یہ الفی کی بڑی دکانوں میں سے ایک ہے۔

آیئے ذرا اندر چل کر ایسی چیزوں کا نظارہ کریں۔ جو عام آدمیوں کی پہونچ سے باہر ہیں۔ جنہیں پاکستان کا ایک مخصوص طبقہ استعمال کرتا ہے۔

اندر سے یہ دکان ایک بڑا ہال ہے۔ پوری دکان کاسمٹک اور ڈیکوریشن کی چیزوں سے لبالب بھری ہے۔ یہاں کئی سیلز مین گاہکوں کو ان کی پسند کی چیزیں دکھانے میں مصروف ہیں۔ ہال کی دیواروں پر قیمتی قالین سجے ہوئے ہیں۔

"اس قالین کا سائز اور قیمت کیا ہے؟"

"جناب اس کا سائز ۶ × ۴ ہے اور اس کی قیمت چھ ہزار روپے ہے۔" سیلزمین نے خوش اخلاقی سے جواب دیا۔

"ایران کا بنا ہوا ہے؟"

"جی نہیں، پاکستان میں تیار ہوا ہے۔"

"ایران کے قالین تو خاصے مہنگے آتے ہوں گے؟"

"کراچی کے سیٹھ ایران کا قالین ہی پسند کرتے ہیں۔ ان کے آرڈر پر ایران سے منگوایا جاتا ہے۔" سیلزمین نے کنکھیوں سے کاؤنٹر کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"اس پر تو خاصہ روپیہ برباد ہوتا ہوگا؟"

"اجی چھوڑیئے، انہیں کس بات کی فکر ہے، لاکھوں کماتے ہیں، ہزاروں خرچ کرتے ہیں۔" آپ کو بتاؤں، سیلزمین نے سرگوشی میں کہا "ان کی بیگمات کاسمٹک کے سامان پر ہزاروں روپے خرچ کرتی ہیں۔ یہ بات کسی سے بتایئے گا نہیں، یہ میرے پیشے کے خلاف ہے۔ کراچی کے ایک مل مالک کی صاحبزادی ہر ماہ یہاں سے آٹھ نو سو روپے میں صرف کاسمٹک کا سامان لیجاتی ہیں۔"

"اچھا!" میں نے اس بات پر حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ بات تو پاکستان کی موجودہ پالیسی کے سراسر خلاف ہے۔ بلکہ صریحاً خلاف ورزی ہے۔ حکومت نے تو سامانِ تعیش پر پابندی عائد کر دی ہے۔ عوام کو کفایت شعاری کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ تو پاکستان کے خلاف ایک کھلی ہوئی سازش ہے۔"

"جناب اگر عوام سے کفایت شعاری کے لئے کہا گیا ہے تو وہ پہلے ہی اپنی معاشی مجبوریوں کی وجہ سے کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں اور اگر یہ پابندی امراء کے طبقہ پر لگائی گئی ہے تو میں ایک راز کی بات بتادوں۔ اس طبقے کے مردوں اور عورتوں نے اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ غیر ملکی آرائش حسن کے سامان کی درآمد پر پابندی ہے۔ لیکن اب بھی بے شمار چیزیں افغانستان سے اسمگل ہو کر لنڈی کوتل پہنچتی ہیں اور پھر وہاں سے پاکستان کے بڑے بڑے شہروں میں منتقل کر دی جاتی ہیں۔ بڑے گھروں کی بیگمات آج بھی الفی کی دکانوں سے روزانہ ہزاروں روپے میں سامانِ تعیش خریدتی ہیں۔ بتایئے گرفت کرنے والا ہاتھ کہاں ہے؟"

یہاں ایک پتھر کی قیمت ۳۵۰ سے ۲۰۰۰ روپے تک ہے

سیلزمین پڑھا لکھا اور خاصہ بقراط قسم کا لگ رہا ہے۔ اگر میں کچھ دیر مزید یہاں ٹھہرا تو یقیناً وہ میرا دماغ چاٹ جائے گا۔ میں نے اسے اگلے روز چائے کی پیشکش کی اور صاحب سلامت کر کے دکان سے کھسک گیا۔ ویسے بھی کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا مینجر کھا جانے والی نظروں سے سیلزمین کو دیکھ رہا ہے۔ اس دکان کے بالکل سامنے ڈیکوریشن کی ایک خوب صورت دکان ہے۔ شیشے کے عقب میں سنگ مرمر کی صراحیاں، مجسمے، ہار، پیالیاں، برتن، شطرنج اور دوسری چیزیں صاف نظر آرہی ہیں۔





اس دکان کی ساری چیزیں سنگ مرمر کی بنی ہیں۔ قیمتی اور خوب صورت۔ یہ سنگ مرمر بلوچستان کے علاقہ کنڈی سے برآمد کیا جاتا ہے اس کا نام انوکسی (ONXY) بتایا گیا ہے۔ اس قیمتی پتھر کا بہترین مصرف تحائف کی تیاری سمجھا گیا ہے۔

ایک نوجوان جوڑا اندر داخل ہوا۔ سیلزمین مجھے چھوڑ کر اس کی طرف لپکا۔ پہلی نظر میں دونوں غیر ملکی نظر آئے۔ مگر مرد پاکستانی ہے۔ عورت جرمن نژاد معلوم ہوتی ہے۔ میں دکان کی مصنوعات دیکھنے اور ان کی قیمت معلوم کرنے میں مصروف ہوں۔ عورت اپنے لئے ایک سنگ مرمر کا ہار پسند کرتی ہے۔ مرد نے اپنے لئے ایک سگریٹ کیس پسند کیا۔ قیمت دے کر وہ دونوں باہر نکل گئے۔

"اس سگریٹ کیس کی کیا قیمت ہوگی؟"

"۵۵۰ روپے۔"

"اس ہار کی"

۲۵۰ روپے

"میں آگے بڑھتا ہوں، یہ صراحی تو بہت نفیس ہے۔"

"جی ہاں، اسی کی تو قیمت ہے۔" سیلزمین نے جواب دیا۔

"کیا قیمت ہوگی؟"

"پانچسو پچاس روپے۔" ڈرائنگ روم میں رکھنے کے لئے ہے۔

"اس ایشٹرے کی کیا قیمت ہوگی؟"

"آٹھ سو روپے۔"

اب میں آپ کو ایک چھوٹی سی دکان پر لے چلتا ہوں۔ یہ الفی کی مختصر ترین دکان ہے اس جگہ بھی پاکستان کی معیشت کو ذبح کیا جا رہا ہے۔ ایک چھوٹے سے شوکیس میں رنگ برنگ کے چھوٹے چھوٹے پتھر جھلملا رہے ہیں۔ ان پتھروں کو بیگمات لاکٹوں، ہاروں اور انگوٹھیوں میں جڑواتی ہیں۔ اس پتھر کا نام گولڈن ٹوپیز (GOLDEN TOPAZ) ہے۔ اس کی مالیت دو ہزار روپے ہے۔ ایک بہت چھوٹے سے پتھر کی قیمت ساڑھے تین سو روپے ہے۔ جی ہاں، یہ پتھر بڑے کام کے ہیں۔ خوش بختی کی علامت، میری موجودگی میں ساڑھے تین سو کے دو پتھر فروخت ہو گئے۔ خریدار نے اپنے زائچے کے مطابق پتھر خریدا ہے۔ اس دکاندار سے معلوم ہوا کہ جس روز ۵۰۰ اور ۱۰۰ روپے کے نوٹ منسوخ ہوئے اس سے ایک روز پہلے اس کا مال بہت بکا "اس روز تو مجھے معلوم نہیں ہوا۔ لیکن رات کو جب اعلان ہوا تو مجھ پر ساری حقیقت کھل گئی۔"

یہ الفی پر آرائش حسن کے سامان کی سب سے بڑی دکان ہے۔ شوکیس میں پاکستان ہی میں تیار ہونے والی چیزیں نظر آتی ہیں۔ غیر ملکی

"الفتح" کے لئے تصویر نہیں بن سکتی

الفنسٹن اسٹریٹ پر آرائش و زیبائش اور فرنیچر کی ایک بہت بڑی دکان ہے۔ باہر سے کھڑے ہو کر اندر کا منظر دیکھئے تو محسوس ہوگا کہ خواب دیکھ رہے ہیں۔ قیمتی پلنگ مسہری، سنگھار میز، صوفہ سیٹ، تپائی اور چھوٹی چھوٹی جدید طرز کی کرسیاں قرینے سے رکھی ہوئی ہیں۔ ان چیزوں کی قیمت معلوم کرنے کے لئے اندر گیا۔ میرے ساتھ فوٹو گرافر کو دیکھ کر دوکان کا مالک جھٹ سے باہر نکل آیا۔ اور اس نے ہمارے آنے کا مدعا پوچھا۔

"اندر سے ایک تصویر اتارنی ہے۔"

دکان کے مالک نے پوچھا۔ کس لئے؟

"ایک فیچر کے لئے۔"

"کس پرچے کے لئے ——؟" دوکان کے مالک نے فوراً سوال کیا۔

"ہفت روزہ الفتح کے لئے۔"

دکان کے مالک نے غرا کر کہا "الفتح کے لئے —— ہرگز نہیں۔ براہ کرم آپ لوگ چلے جایئے۔ میں کسی قیمت پر اس کی اجازت نہ دوں گا۔ الفتح ہمارے خلاف لکھتا ہے۔"



بیگمات اور صاحبزادیاں ہر ہفتے اپنے چہروں پر سینکڑوں روپے خرچ کرتی ہیں

سامان اندر رکھا جاتا ہے ، خاص خاص گاہکوں کے لئے ، خواتین کے ہیئر کنڈیشنر اور ہیئر اسپرے کا زیادہ تر سامان باہر سے منگوایا جاتا ہے ۔خفیہ ، چوری چھپے ۔ اِن کے مُنہ مانگے دام وصول کئے جاتے ہیں ۔ڈیلوبیٹ شیونگ کریم کی قیمت ۱۵ روپے ۵۰ پیسے ہے ۔کلوپیٹرا آئی لائنر چھ روپے ۵۰ پیسے ۔شیو کرنے کے بعد چہرے کی جلد کو ٹھنڈا اور ملائم رکھنے کے لئے سینکڑوں قسم کے لوشن اور کلون اس دکان کی زینت ہیں ۔شیونگ فوم، کریم ، ایک سے ایک ، ہر قیمت پر دستیاب ہیں۔ بیگمات اپنے بغلوں کی بدبو دور کرنے کے لئے سینکڑوں روپے کی کریم کلون اور سینٹ خریدتی ہیں ۔آرڈن لپ اسٹک صرف ایک عدد ۱۳ روپے ہیں ۔ بیلوگراس خوشبو دار تیل ، چھوٹی شیشی میں ۴۰ سے لے کر ۸۰ روپے میں ملتا ہے ۔اگر گاہک اعتماد کا ہوا تو سیلزمین خاموشی سے اندر چلا جاتا ہے اور جب باہر نکلتا ہے تو اس کے ہاتھ میں ایک پاکٹ ہوتا ہے ۔جس کی منہ مانگی قیمت وصول کی جاتی ہے ۔ ینیل صاحب قسم کے لوگ اور ان کی بیگمات "باتھ" لینے کے بعد جسم پر ملتے ہیں ۔ اولڈ اسپائس کلون کی چھوٹی شیشی ۲۱ روپے میں ملتی ہے ۔ ارڈن کی نیل پالش صرف اٹھارہ روپے میں —— جی ہاں ! اس شہر کی فیشن ایبل خواتین اپنے ناخنوں کی دلکشی پہ ہر ہفتے ، پندرھویں دن اٹھارہ روپے صرف کر دیتی ہیں۔

ذرا ٹھہریئے ، یہ الفی پرو ڈیکوریشن اور فرنیچر کی سب سے عمدہ اور اعلےٰ دکان ہے ۔ایک بہت بڑے شیشے کے عقب میں مرمری خواب گاہ نظر آتی ہے ۔ ایک شاندار پلنگ رکھا ہے ۔ کشادہ اور

ایم۔ایم۔احمد صاحب —— الفی میں تشریف لائیے

بے حد شاندار اس پر بستر بھی بچھا ہوا ہے ۔ ریشمی سفید اور ملائم ۔ اس کے ساتھ ہی ایک سنگھار میز بھی ہے ۔ اس کے شیشے میں قیمتی اور آرام دہ صوفے نظر آ رہے ہیں ۔ ان پلنگوں ، صوفوں اور سنگھار میزوں کو کون لوگ استعمال کرتے ہیں ۔ یقیناً انہیں استعمال کرنے والے عام لوگ نہیں ہوں گے ۔عوام کے لئے تو یہ ایک دلکش خواب کا ایک ایسا منظر ہے جسے صرف آنکھیں بند کر کے دیکھا جا سکتا ہے ۔

"اس پلنگ کی کیا قیمت ہو گی ؟"

دکان کا مالک مسکرا کر رہ گیا ۔ اس کی مسکراہٹ میں تضحیک کا پہلو نمایاں ہے "وہ کیا کریں گے پوچھ کر ؟"

"بس یونہی ، اندازہ لگانے کے لئے !"

"اس کی قیمت بتانے کی قیمت لگتی ہے "۔ دکان کا مالک یہ کہہ کر اپنے ایرکنڈیشنڈ کمرے میں چلا گیا ۔

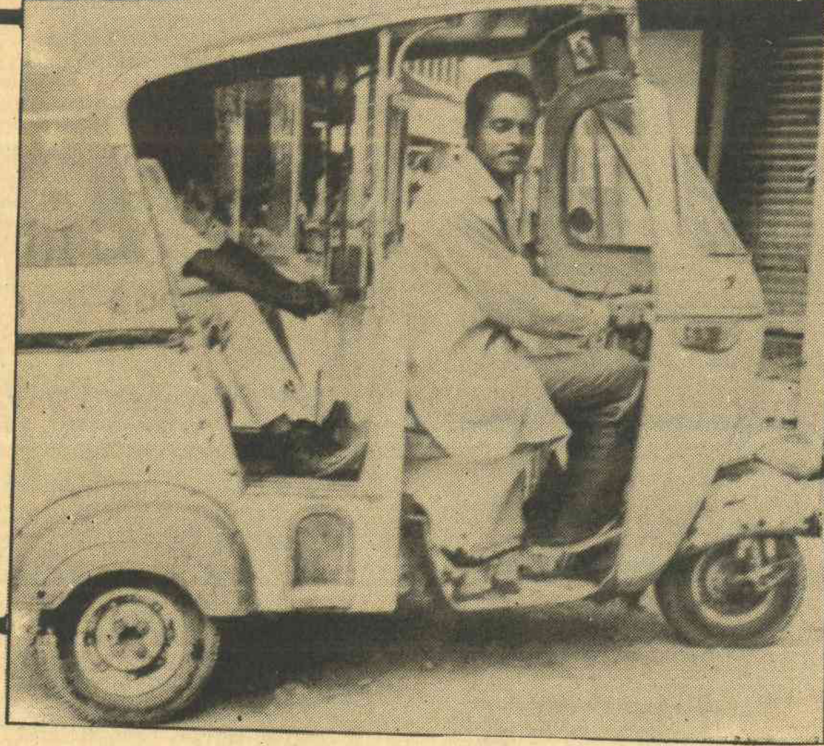
دکان سے باہر نکلا تو الفی ٹیوب لائٹوں اور نیون سائن کی رنگا رنگ روشنیوں میں ملفوف ایک قیمتی ، بہت قیمتی پتھر کی طرح جھلملا رہی ہے ۔ یہ شہر کا وہ سحر انگیز علاقہ ہے جہاں سے پتھر توڑنے والے مزدور کا گذر نہیں ہوتا ۔ اگر کوئی بھولا بھٹکا ادھر آ نکلتا ہے تو وہ اس کے سحر سے پتھر کی مانند جامد ہو جاتا ہے ۔ اس علاقہ میں اُسے اور اس کے وطن کو معاشی طور پر تباہ کرنے کی سازش کو عملی جامہ پہنایا جا رہا ہے ۔ یہاں اس کی محنت کی کمائی کو پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے ۔

صدر مملکت کے مشیر خصوصی جناب ایم ایم احمد نے اپنی بجٹ والی تقریر میں سامانِ تعیش پر پابندی لگانے کا اعلان کیا تھا ۔ انہوں نے عوام سے اپیل کی تھی کہ پاکستان کی گرتی ہوئی معیشت کے پیش نظر کفایت شعاری سے کام لیں ۔فضول خرچی کی عادت ترک دیں ۔ آرائش حسن کی اشیاء پر ہزاروں روپے برباد کرنے کی روش چھوڑ دیں ۔ سادگی کی زندگی بسر کریں ۔عوام تو پہلے ہی افلاس اور غربت کی وجہ سے بھکاری بن چکے ہیں ۔ بھلا انہیں سامان تعیش سے کیا سروکار ، لانڈھی اور کورنگی میں رہنے والے عام لوگوں کو تو بنیادی سہولتیں بھی میسّر نہیں ہیں ۔ بیروزگاری اور افلاس

باقی صفحہ ۳۰ پر ملاحظہ فرمائیں

الفتح کراچی

...وگ پوری زندگی
...ے پر رکشہ چلاتے
...ر دیتے ہیں



موت کو سامنے دیکھ کر میرا جسم پسینے میں بھیگ گیا

رکشہ ڈرائیور مرزا ظہور بیگ سے الفتح کے فیچر نگار نعیم آلوی کی خصوصی ملاقات

...ت کے گیارہ بج رہے تھے۔ بوہری بازار میں
...۔ لمبے تڑنگے سر پہ ڈھاٹا باندھے ہوئے تھے۔ مجھے
...بنگلو پر چلنا ہے۔" دونوں رکشہ پر بیٹھ گئے
...ں ایک جگہ کہا "ادھر چلو، ذرا کام ہے پھر
...ر چلیں گے"۔ میں آنے والے لمحات سے بے خبر
...ے کے چلانے میں مگن تھا۔ آگے حب ندی کا
علاقہ تھا۔ میرا ماتھا ٹھنکا، مگر وقت گزر چکا تھا
...ے پہلے کہ میں اپنے بچاؤ کے لئے کوئی تدبیر سوچتا
...ڈی چیز میری گردن کے عقبی حصے سے آ لگی۔
...جئے میرے سارے جسم میں جھرجھری دوڑ گئی۔
...ادے رکشہ روک لے۔"

میں نے خاموشی سے رکشہ روک دیا

"اسی طرح چپ چاپ بیٹھا رہ، ہاتھ پیر
...ی کوشش نہ کرنا۔ چاقو گردن کے آر پار ہو
...گا۔" پیچھے سے حکم دیا گیا۔

پھر دونوں آپس میں کھسر پھسر کرنے لگے۔
...ی باتوں سے اندازہ ہوگیا کہ وہ مجھے لوٹنے کے
...قتل کر دینا چاہتے ہیں۔ موت کو سامنے دیکھ
...یرا جسم پسینے میں بھیگ گیا۔ پورا علاقہ بھائیں
...ائیں کر رہا تھا۔ آس پاس کوئی نظر نہ آتا تھا کہ
...دد کے لئے پکاروں۔ اگر پکارتا بھی تو میرے لئے
...ت اپنی جان کو خطرے میں ڈالتا۔

میں نے پیچھے مڑے بغیر، ان سے کہا "میرے
...اس جو کچھ ہے مجھ سے لے لو۔ مجھے جان سے نہ مارو،
...ریب آدمی ہوں اور دو بچوں کا باپ ہوں۔ مجھے
مار کر تمہیں کیا ملے گا۔ میری جیب میں جتنے پیسے
ہیں اتنے ہی ملیں گے۔ میری موت سے زیادہ
نہ ہوں گے۔"

شاید میری بات اُن کی سمجھ میں آگئی۔ ممکن
ہے انہیں رحم بھی آیا ہو۔ وہ دونوں دوبارہ آپس میں
کھسر پھسر کرنے لگے۔ پھر فیصلہ کرکے مجھ سے کہا:
"اُدھر منہ کئے رکشہ سے اترو، پلٹ کر نہ دیکھنا، سالے
جان سے مار دوں گا۔" میں نے چوں چراں کئے بغیر ان
کی ہدایت پر عمل کیا۔ میری تلاشی لی گئی کل ۱۴ روپے
آٹھ آنے ملے۔ انہوں نے رکشہ کو کھنگال ڈالا مگر کچھ
ہوتا تو ملتا۔ اُن میں سے ایک نے کہا "تیرے پاس
اور کتنی رقم ہے، جلدی نکال۔"

میں نے لرزتے ہوتے کہا "بھائی میرے پاس
اس کے سوا ایک چھیدام بھی نہیں۔ اگر ہوتا تو تمہیں
دے دیتا۔ جان سے بڑھ کر روپیہ کوئی چیز ہے۔"

"اچھا سن۔" دوسرا آدمی ایک موٹی سی گالی
دیتا ہوا بولا "چپ چاپ رکشہ پر بیٹھ جا اور جلدی
سے کلٹی ہو جا۔ چل جلدی کر، تیری ——" اور
ہاں ایک بات بھی سنتا جا، اگر رپٹ وپٹ درج کرائی
تو تیری آنتیں باہر نکال دوں گا۔"

جان بچی اور لاکھوں پائے، مجھے اتنا ہوش
تھا کہ رکشہ پہ بیٹھا اور اُسے پوری اسپیڈ سے
بھگا دیا۔ صدر میں غوثیہ ریسٹورنٹ کے پاس پہنچ
کر میری جان میں جان آئی۔

رکشہ ڈرائیور مرزا ظہور بیگ نے یہ واقعہ بیان
کرتے ہوئے کہا "رکشہ چلانے کے دوران ہماری
زندگی کا ہر لمحہ خطرے سے دوچار رہتا ہے۔ مگر اس
کا احساس کوئی نہیں کرتا۔ ہمارے ساتھ ایسا برتاؤ
کیا جاتا جیسے ہم اس معاشرے سے تعلق نہیں
رکھتے۔ حالانکہ ہم بھی گوشت پوست کے انسان ہیں
احساسات رکھتے ہیں۔ ہمارے اوپر بھی بیوی بچوں
کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ مگر لوگ اس طرح نہیں
سوچتے، جھگڑے کی صورت میں ساری غلطی ہمارے
سر پر تھوپ دی جاتی ہے۔"

رکشہ ڈرائیور ظہور بیگ کا انٹرویو لینے کا خیال ایک
واقعہ سے پیدا ہوا۔ لالوکھیت ڈاکخانے کے اسٹاپ پہ
ایک مریض عورت زمین پہ بیٹھی درد سے کراہ رہی تھی۔
اسے سندھی ہوٹل جانا تھا۔ کوئی رکشہ والا جانے کو

تیار نہ تھا۔ میٹر کے حساب سے کم پیسے ملتے۔ میں بھی اس جگہ کھڑا تھا۔ ایک رکشہ والے کو ہاتھ دے کر روکا اور اس سے انسانی ہمدردی کے نام پر مریضہ کو سندھی ہوٹل پہنچانے کی درخواست کی مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا اور اپنا رکشہ آگے بڑھا دیا۔ چند لمحوں کے بعد اس جگہ ایک دوسرا رکشہ والا پہنچا۔ میں نے اس سے عورت کو سندھی ہوٹل پہنچانے کے لئے کہا۔ وہ بلا حیل و حجت تیار ہو گیا۔ اس عورت کو اپنے رکشہ میں بٹھا کر سندھی ہوٹل روانہ ہو گیا۔ چلتے چلتے کہنے لگا "میری بھی ایک بوڑھی ماں ہے۔ دنیا میں ہر انسان ایک جیسے نہیں ہوتے۔" یہ رکشہ ڈرائیور مرزا ظہور بیگ تھا، جس نے مریضہ کو اپنی ماں سمجھ کر سندھی ہوٹل اس کے گھر پہنچا دیا اور کرایہ بھی وصول نہ کیا۔

مرزا ظہور بیگ ۱۸ سال سے کراچی کی سڑکوں پر رکشہ چلا رہا ہے۔ پہلے وہ غیر شادی شدہ تھا۔ پھر اس کی شادی ہو گئی۔ اس کے دو بچے ہیں۔ ایک کی عمر ۵ سال ہے اور دوسرے کی عمر ۳ سال ہے۔ شروع میں لالوکھیت میں رہتا تھا اب نئی کراچی میں رہ رہا ہے۔ پہلے اس کی ذمہ داریاں کم تھیں۔ اب بڑھ گئی ہیں۔ وہ صبح آٹھ بجے سے لے کر رات کے گیارہ بجے تک رکشہ چلاتا ہے۔ رکشہ کے مالک کو ۱۵ روپے روز دیتا ہے۔ روزانہ دو ڈھائی گیلن پٹرول اور ڈیزل کا خرچ اپنے پاس سے دیتا ہے۔ ڈھائی گیلن پٹرول کی قیمت ۱۷ روپے بنتی ہے۔ مالک اور پٹرول کا خرچہ نکالنے کے بعد اسے روزانہ پانچ چھ روپے مل جاتے ہیں۔ کبھی کبھی دس بارہ روپے بھی ملتے ہیں۔ مگر ایسا موقعہ کبھی کبھی آتا ہے۔

ظہور بیگ نے بتایا کہ وہ اس بات پر یقین نہیں رکھتا پھر بھی ایسا اکثر ہوا کہ صبح صبح پہلے پسنجر سے تو تکار ہو گئی تو پھر سارا دن کھوٹا گزرتا ہے۔ وہ بڑی احتیاط کرتا ہے کہ پہلے پسنجر سے جھگڑا نہ ہو۔ ظہور بیگ نے بتایا کہ رکشہ پر بیٹھنے والوں کو یاد رکھنا بڑا مشکل کام ہے عموماً رکشہ خالی ہوتے ہی کوئی نہ کوئی بیٹھ جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ "فلاں جگہ چلو۔" عقبی شیشے میں کبھی کبھار پیچھے بیٹھنے والے کی شکل نظر آجاتی ہے۔ البتہ پیسہ دیتے وقت پسنجر کا حلیہ دیکھنے کا موقع ملتا ہے مگر یہ مدت بھی اتنی کم ہوتی ہے کہ مسافر کو یاد رکھنا ناممکن ہے۔ روزانہ سینکڑوں افراد رکشہ میں بیٹھتے ہیں کس کس کو یاد رکھا جائے۔"

رکشہ ڈرائیور نے کہا "ایک ایسا واقعہ ہوا، جس کی وجہ سے مجھے آج تک ایک پسنجر یاد ہے۔ میں صدر سے ایک سواری پیر کالونی لے گیا۔ واپسی میں ایک پسنجر مل گیا اس نے دستگیر کالونی چلنے کو کہا۔ جب میرا رکشہ الاعظم اسکوائر پہنچا تو میں نے عقبی شیشے سے دیکھا کہ مسافر بے چینی سے پہلو بدل رہا ہے۔ وہ کبھی دائیں طرف بیٹھ جاتا اور کبھی بائیں طرف۔ بار بار سیٹ کو ٹٹول رہا ہے۔ رکشہ پل سے نیچے اترا تو

تو مجھے قانون بتائے گا چل ہٹا نے!

اس نے رکنے کو کہا۔ میں نے سگریٹ کی ایک دکان کے قریب رکشہ کھڑا کر دیا۔ وہ رکشہ سے اتر کر سیٹ کو الٹنے پلٹنے لگا۔

میں نے پوچھا "آخر کچھ بتاؤ بھی، کیا ہو گیا؟"

اس نے جواب دیا "میرا پرس گم ہو گیا۔"

میں نے سیٹ الٹ پلٹ کر اسے دکھایا۔ پرس وہاں نہیں تھا

اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا "بھائی میرا پرس کہیں گر گیا۔ اس میں ستر روپے تھے۔ اس وقت میری جیب میں صرف ۳۰ پیسے ہیں تم رکھ لو، میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ اگر ملاقات ہو گئی تو میں تمہیں پورے پیسے دے دوں گا۔"

میں نے کہا "ہو سکتا ہے تمہارا پرس گھر پر ہی رہ گیا ہو، میں تمہیں گھر لے کر چلتا ہوں۔ اگر مل جائے تو ٹھیک ورنہ مجھے صرف ایک طرف کا کرایہ دے دینا۔"

اس نے فوراً جواب دیا "نہیں، نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ پرس کہیں راستے میں گر گیا ہے۔ گھر جانا فضول ہوگا۔ اس وقت تم تیس پیسے لے لو، میں کبھی نہ کبھی تمہارا پیسہ ادا کر دوں گا۔"

میں نے اس سے ۳۰ پیسے بھی وصول نہ کئے اور اسے چھوڑ دیا۔ چلتے چلتے میں نے اس سے کہہ دیا "استاد اگر تم سے پھر ملاقات ہو گئی تو پیسے ضرور وصول کروں گا۔"

اس واقعہ کو گذرے ہوئے دو تین ہفتے ہو گئے ہیں اس آدمی کو تقریباً بھول گیا۔ میں اپنا رکشہ لئے ہوئے شہید ملت روڈ سے گزر رہا تھا کہ اچانک اسی پسنجر پر نظر پڑ گئی۔ شاید وہ کسی رکشہ کے انتظار میں تھا۔ میرے رکشہ میں پہلے سے ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ میں رکشہ گھما کر اس آدمی کے قریب پہنچ گیا اور اس سے پیسے طلب کئے۔

اس نے بڑی حیرت سے کہا "کیسے پیسے بھائی تمہیں غلطی ہو گئی، کوئی دوسرا آدمی ہوگا؟"

میں نے کہا "تم جھوٹ بولتے ہو، تم وہی ہو اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو پھر میرے رکشہ میں بیٹھ جاؤ میں تمہیں اس جگہ لے چلتا ہوں، سگریٹ والا تو تمہیں ضرور پہچان لے گا۔ میرے رکشہ میں بیٹھے ہوئے پسنجر نے بھی دلچسپی سے کہا "یہ بات درست ہے۔" میرے اصرار پر وہ آدمی رکشہ میں بیٹھ گیا جب میرا رکشہ جیل روڈ پر پہنچا تو اس نے رکشہ رکوا لیا اور نیچے اتر کر کہا "اس دن کے کتنے پیسے نکلتے ہیں؟"

"ساٹھ پیسے" میں نے رکھائی سے جواب دیا۔

اس نے خاموشی سے جیب سے ساٹھ پیسے نکال کر میرے ہاتھوں پر رکھ دیئے اور خدا حافظ کہہ کر حیدرآباد کالونی کی جانب مڑ گیا۔ میں دل ہی دل میں اس بات پر خوش تھا کہ اس آدمی کو شناخت کرنے میں دھوکا نہیں کھایا۔ مگر میری خوشی رکشہ میں بیٹھے ہوئے پسنجر نے کافور کر دی "بھئی وہ تمہیں چل دے گیا۔ تمہیں اس نے پہلے کے پیسے دے کر ٹرخا دیا۔ شہید ملت روڈ سے یہاں تک آنے کا ایک پیسہ نہیں دیا۔ مفت سواری کی۔ تمہارے ساٹھ پیسے تو اب بھی اس کی جانب نکلتے ہیں۔" میں اس آدمی کی چالاکی سمجھ گیا بڑا افسوس ہوا۔ اس نے مجھے دوبارہ فریب دیا۔ مگر اب کیا ہوتا وہ تو میری نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

"سالا بڑا چلتا پرزہ نکلا۔"

وہ کائیاں آدمی آج بھی مرزا ظہور بیگ کے ذہن سے چمٹا ہوا ہے۔

رکشہ ڈرائیور نے حادثات کی ایک بڑی وجہ بیان کرتے ہوئے بتایا۔ اگر ڈرائیوروں کو انسان سمجھا جائے تو حادثے نہ ہوں۔ مگر انہیں انسان کب سمجھا جاتا ہے

باقی صفحہ ۲۲ پر ملاحظہ فرمائیں

افسانہ

کوئی بھوکا سونے نہ پائے

علی احمد شاہدی

حاجی رحمت الٰہی اکثر مجھ سے برسبیل تذکرہ بڑے ناصحانہ انداز میں کہا کرتے "چاند کا کردار یہ ہے میاں کہ وہ ضیا رپاشی کرتا ہے۔ ہلال ہے تو نوری چہرہ اور پورتماشی ہے تو روشنی کا ہالہ۔ گھٹے تو چاندی اور بڑھے تو چاندنی۔ کائنات کی نگاہوں کو کبھی اس نے مایوس نہیں کیا"۔ اور پھر وہ ٹھنڈی سانس بھرتے۔ "یہی مثال انسان کی ہے کہ اول انسان و آخر انسان۔ نادار ہو تو انسان اور زردار ہو تو بھی انسان لیکن ایسا نہیں ہے"۔

حاجی صاحب دہلی میں ایک بڑے ہوٹل کے مالک تھے۔ میں ہر شام انہی کے ہوٹل میں کھانا کھاتا تھا۔ جب کئی ماہ ہو گئے تو اُن سے دعا سلام اور مزاج پُرسی کی منزلوں سے گزرنے کے بعد راہ و رسم ہو گئی اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد کاؤنٹر پر ہی ان کے ساتھ اکثر طویل نشستیں کرنے لگا۔ وہ بڑے باغ و بہار آدمی تھے۔ کوئی موضوع اُن کی گفتگو کے دام سے بچ کر نہ نکلتا اور ہر بات کی تان کردار پر ہی ٹوٹتی۔

وہ بذاتِ خود انتہائی خدا ترس، متقی، پرہیزگار اور رحمدل آدمی تھے۔ میں ان سے اکثر متاثر ہو کر برملا کہا کرتا "حاجی صاحب آپ خوش نصیب ہیں کہ دین اور دنیا دونوں کی سرخروئی آپ کو میسر ہے زندگی میں آپ کامران ہیں اور عقبیٰ میں بھی جنت مکان"

وہ میری بات پر حیرت سے مجھے دیکھتے "یہ کیا کہہ رہے ہو میاں! عبادت کرنے والا انسان خود غرض ہے کہ وہ اپنی ذات کی نجات کے لئے کوشاں ہوتا ہے۔ تقویٰ کی روح حق العباد ہے۔ پرہیزگاری کا جوہر درد دل —— ہم اپنے لئے زر و جواہر اور ناداروں کے لئے صبر و شکر کے طلب گار ہوں تو تقویٰ کہاں —— غربت امارت انسان کا مقدر نہیں، ناداری مشیت الٰہی سے نہیں ہے کہ اس کا مداوا ہی نہ کیا جا سکے۔ ہم میں زیادہ وہ ہیں جو تقویٰ کر کے اپنی ذات میں محدود و مقید ہو جاتے ہیں کہ ان کی نگاہ میں ان کی راحت رحمت آسمانی ہے اور بے سہاروں کے مصائب آزمائش ربانی —— میاں راہ نجات بہت آسان بھی ہے، بہت دشوار بھی۔ تقویٰ ذرہ میں آفتاب بھی ہے اور آفتاب میں ذرہ بھی" اور ایسے موقعوں پر عجیب درد سا اُن کی آنکھوں سے ٹپکتا۔ لیکن روح کا نپتی کہ میں مذہب کے بارے میں بہت ہی حساس و روایتی ہوں"۔

رفتہ رفتہ مجھے مختلف ذرائع سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حاجی رحمت الٰہی شہر میں کتنے ہی یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کرتے ہیں اور خیراتی شفا خانوں کو رقمیں بھجواتے رہتے ہیں۔ ان سب پہ مستزاد اُن کی ایک ادا شہر بھر میں تحسین کی نگاہوں سے دیکھی جاتی تھی۔ اور مجھے بھی ان کا یہ انداز بڑا بھاتا تھا کہ ہر جمعرات کو ہوٹل کے احاطے میں سینکڑوں تندوری روٹیاں رکھ کر کھڑے ہو جاتے اور جوق در جوق آنے والے گداگروں، اپاہجوں اور ناداروں کو اپنے ہاتھوں سے تقسیم کرتے۔ رات گئے تک ہوٹل کے سامنے ہر جمعرات کو ایک میلہ سا لگا رہتا اور طرح طرح کی صدائیں سنائی دیتیں۔ اس وقت حاجی رحمت الٰہی اپنے تن من کو بھول جاتے اور یوں لگتا جیسے وہ اپنا مال روان لٹا دینے کے لئے بے چین ہوں۔ وہ رات ان کے لئے طمانیت روح و قلب کی رات ہوتی اور دولت مند ہونے کے باوجود جو کرب اور خلش ان کے پیکر میں رواں دواں رہتی تھی وہ جیسے تھم جاتی۔ مجھے معلوم ہوا کہ ان کا یہ معمول برسوں سے جاری ہے اور اس میں کبھی فرق نہ آیا۔

ابھی میرے تعلقات کو حاجی رحمت الٰہی کے ساتھ چند سال ہی گزرے تھے کہ وہ تاریخ آ پہنچی جس نے ملک میں خطِ تقسیم کھینچ دیا۔ روشنی اور تاریکی کی سرحدیں علیحدہ علیحدہ ہو گئیں۔ اس کے بعد ہی دہلی میں فساد کی آگ بھڑک اٹھی۔ میل ملاقاتوں کے راستے مسدود ہو گئے۔ میں اس افراتفری میں کسی نہ کسی طرح لاہور پہنچ گیا یہاں آ کر جب میں نے ذرا سکون کا سانس لیا تو سب سے پہلے مجھے جس شخصیت کی یاد آئی وہ حاجی صاحب تھے جانے اس نیک انسان کا کیا حشر ہوا ہو گا۔ اُن کے خاندان پر کیا بیتی ہو گی۔

دہلی سے لوگ برابر لاہور آ رہے تھے۔ میں نے کئی ایک سے حاجی صاحب کی بابت معلوم کیا۔ انھوں نے بتایا کہ اُن کے ہوٹل پر سب سے پہلے حملہ کیا گیا اور آگ لگائی گئی اور گھر بھی لوٹ لیا گیا۔ شاید کوئی زندہ نہیں بچا۔ البتہ حملہ کے وقت حاجی صاحب خود ہوٹل میں محصور ہو گئے تھے۔ خدا جانے سلامت رہے یا نہیں۔

لاہور کے مہاجر کیمپوں میں انہیں تلاش کرنے کی میں نے بہت کوشش کی لیکن بے سود۔ وہ مجھے جب یاد آتے تو میری آنکھیں خون کے آنسو روتیں دن گزرتے گئے ان کی یادوں کے زخم رفتہ رفتہ بھرتے گئے۔ اس کے بعد میرا تبادلہ راولپنڈی ہو گیا۔

راولپنڈی میں میری ملاقات اتفاقاً حاجی صاحب کے ایک دوست سے ہوئی۔ ساری یادیں تازہ ہو گئیں۔ انھوں نے بڑے دُکھ سے انکشاف کیا کہ حاجی صاحب بچ گئے تھے۔ پُورے خاندان کا قتل اور کاروبار کی تباہی نے ان کے ذہن پر اتنا شدید اثر ڈالا کہ حواس کھو بیٹھے۔ دہلی کی گلیوں میں کبھی روتے اور کبھی آیت قرآنی پڑھتے پھرتے تھے کہ کسی نے پاکستان آتے وقت لاہور اور پھر راولپنڈی لا کر چھوڑ دیا۔ اُن کی حالت یہ ہے کہ کسی کے قابو میں نہیں آتے اور گلیوں کی خاک چھانا کرتے ہیں۔

اب میری مشتاق نگاہیں متلاشی رہنے لگیں۔ جب میں باہر نکلتا سڑکوں اور گلیوں کا جائزہ لیتا ہوا گزرتا تاکہ وہ کہیں نظر آ جائیں۔ ایک رات نانبائیوں کی دو کانوں کی قطار کے سامنے مجمع سا لگا ہوا دیکھا۔ جمعرات کا دن تھا۔ روٹیاں تقسیم

کی جا رہی تھیں۔ بھکاری نئے اوپر ہو رہے تھے کہ دفعتہً میری نگاہ ایک شخص پر پڑی۔ زرد رو، لمبی لانبی داڑھی، سر کے بال سادھوؤں کی مانند الجھے اور الجھے ہوئے۔ جسم پر ایک پھٹا پرانا غلیظ سا چیتھڑا۔ جب میں قریب پہنچا تو میری رگوں میں لہو جیسے یک دم ٹھہر گیا۔ یہ صورت جانی پہچانی تھی۔ آنکھوں میں خدا ترسی کا وہی نور لیکن چہرے پر اختلال دماغ کے آثار۔ میں انہیں کچھ دیر گھورتا رہا۔ پھر میں بے تابی سے ان سے لپٹ گیا۔ "حاجی صاحب! ۔۔۔ آپ۔ ۔۔۔ آپ حاجی رحمت الٰہی ہیں؟" میں اُن سے تھوڑی دیر بغل گیر رہا۔ لیکن اُدھر سے کوئی تحریک نہ ہوئی۔ مجھے یوں لگا جیسے میں پتھر کے بُت کے گلے لگ گیا ہوں۔ پھر میں نے اُن سے علیحدہ ہو کر کہا۔ "کچھ تو فرمائیے حاجی صاحب"! اور یہ کہتے ہوئے میرا سارا وجود جیسے رونے لگا۔ لیکن وہ مجھے ویران خالی خالی نگاہوں سے پاگلوں کی طرح دیکھا کیے۔۔۔ میں مایوس ہو کر دور جا کھڑا ہوا۔ وہ دھیرے دھیرے چل پڑے۔ میرے دل میں ایک ہیجان بپا تھا۔ اے خدا! تیرے نیک بندے کا یہ انجام!

اتنی دیر میں حاجی صاحب کو میں نے گداگروں کی قطار میں لگتے ہوئے دیکھا۔ اُن کا نمبر آیا۔۔۔ ایک تندوری روٹی ان کے ہاتھ میں آئی۔ وہ اُسے دیکھ کر ہنستے رہے۔۔۔ ہا ہا ہی ہی۔۔۔ پھر اس کے کئی ٹکڑے کیے اور گداگروں کے ہجوم سے باہر آ کر ان اپاہج مردوں اور عورتوں میں تقسیم کرتے چلے گئے جن کا ابھی تک قطار میں نمبر نہیں آیا تھا۔ جب ایک ٹکڑا ہاتھ میں بچ رہا تو اُن کی نگاہ مجھ پر پڑی۔ میں حیران و پریشان سکتہ کے عالم میں کھڑا اُن کی اس عجیب حرکت کو دیکھ رہا تھا۔ انھوں نے جب مجھے اپنی جانب یکساں گھورتے ہوئے دیکھا تو ہنستے ہوئے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آخری ٹکڑا میری جانب بڑھایا۔۔۔ لے یہ لقمہ تیرا ہے۔۔۔ لے اور چلا جا۔۔۔ ہی ہی ہی۔۔۔ اور دیکھ آج کی رات اس شہر میں۔۔۔ کسی شہر میں کوئی بھوکا نہ سونے پائے۔۔۔ بھوکا نہ سونے پائے ۔۔۔ بھوکا نہ سونے پائے۔۔۔ اور وہ چلاتے ہوئے سڑک پر دوڑنے لگے۔

انھیں اس طرح دیوانہ وار بھاگتے ہوئے دیکھ کر مجھے اُن کا وہ زرّیں زمانہ یاد آنے لگا۔ جب وہ مجھ سے کہا کرتے تھے۔۔۔ چاند کا کردار یہ ہے کہ وہ روشنی بخشتا ہے۔ ہلال ہے تو چاندی اور پورنماشی ہے تو چاندنی مگر انسان! اور پھر بے اختیار میری آنکھیں بھر آئیں۔

ہماری زندگی پریشانیوں سے عبارت ہے

بقیہ : زندگی اے زندگی

ڈرائیونگ بڑا خطرناک کام ہے۔ بعض مالکان زبردستی اپنے ڈرائیوروں سے ڈبل ڈیوٹی لیتے ہیں۔ گاڑی چلاتے وقت نیند کے زبردست جھونکے آتے ہیں۔ ایک دن میں بھی ڈبل ڈیوٹی پر تھا۔ رات کا وقت تھا۔ کارساز سے واپس آ رہا تھا، سارا جسم ٹوٹ رہا تھا۔ دونوں آنکھیں نیند سے بوجھل ہو کر خود بخود بند ہونے لگیں۔ صدر میں گرجا گھر کے قریب میری آنکھیں جھپک گئیں اچانک ایک زور کا دھکا لگا اور میری آنکھیں کھل گئیں۔ میرا رکشہ ایک اونٹ گاڑی کے پچھلے حصّہ سے ٹکرا گیا۔ رکشہ اسپیڈ میں نہ تھا ورنہ جانے کیا ہوتا۔ تھوڑی بہت چوٹ آئی۔ مگر زندگی بچ جانے کی صورت میں چوٹ کا خیال ہی نہ رہا۔

مرزا ظہور بیگ نے اپنی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے کہا "ٹریفک پولیس کے علاوہ تھانے کی پولیس بھی بہت تنگ کرتی ہے۔ ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو ہمارا چالان کیا جائے مگر ہوتا یہ ہے کہ قانون توڑنے والے رشوت دے کر بچ جاتے ہیں بے گناہ ڈرائیور پکڑے جاتے ہیں۔ انھیں گالیاں دی جاتی ہیں اور اگر پولیس والوں کا موڈ زیادہ خراب ہو تو دو چار تھپڑ، لات اور گھونسے بھی کھانے پڑتے ہیں۔ ایک روز میری گاڑی کی لائٹ کم تھی۔ میرا ارادہ صدر میں ٹھیک کرانے کا تھا۔ عائشہ باوانی اسکول کے قریب ایک تھانے کے سپاہی نے مجھے ہاتھ دے کر روک لیا اور ڈپٹ کر کہا "کیوں بے تیری گاڑی کی لائٹ خراب کیوں ہے؟

میں نے بتایا "راستے میں خراب ہو گئی۔ صدر میں ٹھیک کرا لوں گا صاحب جی"۔

"چل تیر" اس نے ایک موٹی سی گالی دے کر ایک بھرپور تھپڑ رسید کر دیا۔

میں نے کہا "اگر میں نے قانون کی خلاف ورزی کی ہے تو میرا چالان کر دو۔ مجھے مارتے کیوں ہو"۔ سپاہی نے پھر ایک گالی دیتے ہوئے کہا "تو مجھے قانون بتائے گا۔ چل تھانے، سارا قانون اندر داخل کر دوں گا"۔

تھانے جانے کا مطلب پٹائی اور رشوت میں موٹی رقم۔ جو اس وقت میرے پاس نہ تھی۔ میں نے سپاہی کی بڑی منت سماجت کی اور پانچ روپے دے کر خلاصی حاصل کی۔

ڈرائیور مرزا ظہور بیگ نے بڑے فاضلانہ انداز میں کہا "سپاہی رشوت اس لئے لیتے ہیں کہ ان کی تنخواہ بہت کم ہوتی ہے لوگوں سے غلط برتاؤ اس لئے کرتے ہیں کہ ان کی تعلیم بہت کم ہوتی ہے۔ ان کی تربیت پرانے طریقے سے کی جاتی ہے۔ اگر ان کی تنخواہ میں اضافہ کیا جائے اور انہیں نئے طریقے سے تربیت دی جائے تو ان کے اندر پلنے والی برائیاں بہت جلد ختم ہو جائیں گی"۔

رکشہ ڈرائیور نے اپنے پیشہ کے متعلق بتایا۔ "ہمارا کام محنت طلب اور خطرناک ہے۔ اس پیشے کا کوئی قانون اور ضابطہ نہیں ہے۔ مالکان کو اپنے کرایہ سے مطلب ہوتا ہے۔ انہیں اس سے کوئی سروکار نہیں کہ کمائی ہوئی یا نہیں۔ ڈیوٹی ختم کرنے کے بعد ان کے ہاتھ پر ۱۷، ۱۸ روپے رکھنے پڑتے ہیں۔ دوسری صورت میں گالیاں، پھٹکار، ہم روزانہ کما کما کر مالکوں کو دیتے ہیں وہ ایک رکشہ کے بعد دوسرا رکشہ خرید لیتے ہیں مگر ہم لوگ پوری زندگی ٹھیکہ پر رکشہ چلانے میں گزار دیتے ہیں۔ ہمارا کوئی مستقبل نہیں ہوتا، ہم حادثہ کا شکار ہو جائیں۔ بیمار پڑ جائیں، مر جائیں کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔

مرزا ظہور بیگ نے کہا "آپ ہی بتائیے ہم کہاں جائیں۔ کس سے اپنی مشکلات کا ذکر کریں کون ہے جو ہمارے مسائل اور مصائب پر ہمدردی سے غور کرے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم بہت پیسہ کماتے ہیں۔ عیش کرتے ہیں کاش وہ ہمارے قریب آ کر دیکھیں۔ ہمارے گھر اور ہماری روزمرہ کی مشکلات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ انہیں حقیقت حال معلوم ہو جائے گا۔ ہماری زندگی پاکستان کے عام آدمی کی طرح گوناگوں پریشانیوں سے دوچار ہے۔

کولمبو قتل کر دیا گیا، جانسن مار ڈالا گیا

کولمبو کے سینے سے خُون اُبل رہا تھا



نون - الف

یہ ایک دلچسپ اور رنگا رنگ پارٹی ہے۔ اسٹیج کو پھولوں اور جھنڈیوں سے سجایا گیا ہے۔ دیواروں کو ہرے، پیلے، سرخ، نیلے رنگ کی جھنڈیوں اور بینروں سے دل کش بنا دیا گیا ہے۔ پارٹی میں شرکت کرنے والوں کے چہرے جوش و مسرت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ مہمانوں کی خوش فعلیاں اپنے عروج پر ہیں۔ ہر طرف قہقہوں کے فوارے چھوٹ رہے ہیں موسیقی کی لہریں کبھی تیز اور کبھی آہستہ آوازوں کے سمندر میں تیر رہی ہیں۔

اسٹیج کے ساتھ ہی ایک بڑا بینر تنا ہوا ہے۔ اس پر موٹے موٹے حروف میں لکھا ہوا ہے" اطالوی امریکی شہری حقوق لیگ کا دوسرا سالانہ یوم اتحاد"۔ پارٹیاں عام طور پر ایک جیسی ہوتی ہیں۔ مگر یہ پارٹی امریکہ کی دوسری تمام پارٹیوں سے منفرد ہے۔ جی ہاں، منفرد اور ناقابل یقین۔

یہ پارٹی "مافیا" کے سربراہ کولمبو کی جانب سے دی گئی ہے۔ مافیا جرائم کی ایک دنیا ہے۔ اس کی سرگرمیاں زیر زمین ہیں۔ قتل، اغوا، بلیک میلنگ، چوری، ڈاکہ غرض کہ ہر جرم اس ٹولے کے کاروبار میں شامل ہے اس پارٹی میں شریک ہونے والے امریکی اور اطالوی باشندے کسی نہ کسی طور پر مافیا سے منسلک ہیں۔ اس لیگ کے بانی جوزف کولمبو کی عمر ۴۸ سال کی ہے غیر سرکاری لیڈر اور چیف پرموٹر یہ نیو یارک کے پانچ مافیا خاندانوں کا سربراہ ہے۔

کولمبو اس روز بہت خوش ہے۔ وہ اسٹیج سے اتر کر ہجوم میں گھل مل گیا۔ اس کے ہاتھوں میں جام ہے۔ وہ ہنس رہا ہے۔ زور زور سے قہقہے لگا رہا ہے۔ چار آدمی جہاں کھڑے ہیں وہ لمحہ بھر کے لئے رک جاتا ہے۔ ان سے مزاج پرسی کرتا ہے۔ ایک آدھ جملے کس کر مہمانوں کو ہنسنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ پارٹی اپنے شباب پر ہے۔ اچانک ہال میں فائرنگ کی آواز گونج اٹھتی ہے۔ لوگ اسے پٹاخہ سمجھتے ہیں۔ مگر یہ کیا —— یہ پٹاخہ کی آواز تو نہیں — جوزف کولمبو دھڑام ہو کر زمین پر گر گیا۔ اس کے سینے سے خون ابل رہا ہے۔ سارا فرش رنگین ہو گیا۔ ہنستی مسکراتی پارٹی دم بخود ہے۔ مہمانوں کے منہ حیرت اور خوف سے کھلے ہوئے ہیں۔ پورے ماحول پر سراسیمگی کی کیفیت طاری ہے۔

اس حادثے کے فوراً بعد ایک بار پھر رائفل کی دل ہلا دینے والی آواز گونج اٹھتی ہے۔ اس بار نامعلوم قاتل کا نشانہ ایک سیاہ فام فوٹو گرافر بنا جو چند لمحے پیشتر کولمبو کی تصویر بنا رہا تھا۔ وہ فرش پر گرنے سے پہلے ختم ہو گیا۔ رائفل کی گولی اس کے دل پر بیٹھی ہے۔ بعد میں اس کی شناخت ہو گئی۔ اس کا نام جیروم جانسن بتایا گیا۔ اس کی عمر ۲۴ سال کی تھی۔ اور وہ کولمبو کا باڈی گارڈ تھا۔

پارٹی میں پے در پے دو حادثوں کی وجہ سے بھگدڑ مچ گئی۔ ہر شخص یہ سوچ کر دروازے کی طرف بھاگ رہا ہے کہ کہیں اب کے وہ خود نشانہ نہ بن جائے۔ لوگ ہسٹریائی انداز میں چیخ رہے ہیں——



کولمبو کو ہسپتال لے جایا جا رہا ہے

مجرموں کی تنظیم کا سربراہ قانونی زندگی اختیار کرتے ہی ہلاک کر دیا گیا



فلمی اداکار سیمی ڈیوس اور اس کی بیوی کولمبو کو دیکھنے ہسپتال گئے

"جوزف کولمبو کو قتل کر دیا گیا- اس کے باڈی گارڈ کو مار ڈالا گیا- جانسن ختم ہو گیا- کولمبو قتل کر دیا گیا"۔ ہال کا عجیب منظر ہے- کچھ دیر پہلے کی ہنستی مسکراتی پارٹی موت کی دہشت سے بھرپور ہے- کسی نے چیخ کر کہا ——— "قاتل سیاہ فام ہے ——— قاتل سیاہ فام ہے ———" ان آوازوں کے ساتھ ہی ہال میں موجود سیاہ فاموں کے خلاف غصہ اور نفرت کا جذبہ اُبل پڑا- سفید فاموں نے ایک سیاہ فام موسیقی کار کو اپنے نرغے میں لے لیا ——— "مار ڈالو ——— مار ڈالو ———" لوگ پاگلوں کی طرح چلا رہے ہیں- سیاہ فام موسیقی کار کی بے گناہ آنکھوں میں بیچارگی اور بے بسی تڑپ رہی ہے- اس نے بمشکل تمام پھٹی پھٹی آواز میں چیخ کر کہا ——— "مجھے نہ مارو ——— میں بے قصور ہوں ———"

مافیا کے چار خاندانوں کے سربراہ جوزف کولمبو کے قتل کا واقعہ گزشتہ مہینے امریکہ کے ایک قصبہ گرینوچ میں پیش آیا- جہاں اٹلی، امریکی سول رائٹ لیگ کا دوسرا سالانہ یوم اتحاد منایا جا رہا تھا- اس لیگ کی بنیاد کولمبو نے رکھی تھی- اس نے دیکھا کہ مافیا کے بے شمار خاندان جرائم سے تائب ہو کر ایک بے ضرر زندگی گزار رہے ہیں- مگر امریکی پولیس انہیں بلا وجہ پریشان کرتی ہے- ان کی جائدادوں کا حساب کتاب رکھا جاتا ہے- ان کے ذرائع آمدنی معلوم کی جاتی ہے- انہیں پولیس اسٹیشن بلا کر گھنٹوں پوچھ گچھ کی جاتی ہے- اور کبھی کبھی وجہ بتائے بغیر انہیں گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا جاتا ہے- کولمبو نے اس مسئلے پر کئی بار سوچا، مافیا کے سینکڑوں افراد جرائم سے توبہ کر کے باعزت زندگی گزارنا چاہتے ہیں- پولیس ان کی معصوم زندگی چھین کر انہیں دوبارہ جرائم کی دنیا میں دھکیلنا چاہتی ہے- اس نے مافیا کے ہزاروں اطالوی اور امریکی باشندوں کو شہری حقوق دلانے کے لئے اس لیگ کی بنیاد رکھی- اس طرح کولمبو نے شہری حقوق کے حصول کے لئے مافیا کی روایتی دہشت گری سے ہٹ کر قانونی راہ اختیار کی-

جوزف کولمبو کو شدید زخمی حالت میں روز ویلٹ اسپتال میں پہنچا یا گیا- راستہ میں اس کے جسم سے بہت سارا خون بہہ گیا- اس پر بیہوشی طاری رہی- ڈاکٹروں کی ایک پوری ٹیم اس کی زندگی بچانے میں مصروف تھی- چند گھنٹوں میں اس کا آپریشن کیا گیا- اور اس کے جسم کے ایک نازک حصے سے بلٹ نکال دیا گیا- مگر ڈاکٹروں کی جدوجہد اور کڑی نگرانی اس کی زندگی بچانے میں ناکام ثابت ہوئی- کہا جاتا ہے کہ کولمبو زندگی کے آخری لمحہ تک موت سے لڑتا رہا اس کی جگہ کوئی دوسرا آدمی ہوتا تو شاید گھنٹہ بھر زندہ رہنا معجزہ ہوتا- مگر وہ کسی دیو کی مانند اپنی زندگی کے لئے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پنجہ آزمائی کرتا رہا- ایک ڈاکٹر نے کہا- "وہ کسی دیو سے کم طاقتور نہیں ہے"- چند گھنٹوں کے بعد کولمبو موت سے ہار گیا-

اسپتال میں کولمبو کو دیکھنے والوں میں فلمی اداکار سیمی ڈیوس، اس کی بیوی بھی شامل تھی اس کے علاوہ مافیا کے بے شمار کارکن شامل تھے جو اب ایک باعزت شہری کی زندگی گزارنا چاہتے ہیں مگر امریکی حکومت انہیں مجرم بنانے پر تلی ہوئی ہے- سیمی ڈیوس جب کولمبو کو دیکھنے کے بعد اسپتال سے باہر نکلا تو اس کے چہرے پر غم و اندوہ کے جذبات تھے- اخباری نمائندوں نے اس سے قتل کے بارے میں سوال کیا تو اس نے بڑی دکھی آواز میں کہا ——— "میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا، ہماری دعائیں کولمبو کے ساتھ ہیں ———"

قتل کے اسباب

مافیا ایک غیر قانونی اور خفیہ تنظیم ہے اس کی سرگرمیوں پر راز کا پردہ پڑا ہوتا ہے- کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ کب اور کون اس کا نشانہ بنے گا- باہر کی دنیا میں مافیا کے ذمہ دار ارکان قانون کے دائرہ میں رہ کر اپنا کاروبار کرتے ہیں- بڑی بڑی کاروباری کمپنیاں، ہوٹل، کلب اور اسٹور چلائے جاتے ہیں- درپردہ جوا، اسمگلنگ، منشیات کا کاروبار ہوتا ہے- اس کاروبار کے آڑے آنے والوں کو رشوت، اغوا اور قتل سے ختم کیا جاتا ہے- دس سال قبل مافیا کی سرگرمیوں کو کچلنے کے لئے بڑے پیمانے پر کارروائی شروع کی گئی تو واشنگٹن، نیویارک اور شکاگو کے زیر زمین جرائم کی دنیا میں بھونچال آ گیا- مافیا کا سربراہ اچانک غائب ہو گیا- پتہ نہ چلا کہ اسے زمین کھا گئی یا آسمان ——— اس کے بعد مافیا کے سربراہ اتنے محتاط ہو گئے کہ پھر کبھی معلوم نہ ہو سکا کہ اب مافیا کا سربراہ کون ہے-

جوزف کولمبو کی قیادت میں مافیا نے جب

امریکی سرمایہ دار مجرموں کے سرپرست ہیں

کہا جاتا ہے کہ دنیا کے بیشتر ملکوں کے بڑے بڑے سرمایہ دار اور بااثر افراد زیر زمین جرائم کی سرپرستی کرتے ہیں- انہیں بڑی بڑی رقمیں ادا کرتے ہیں اور بعض موقعوں پر مطلب براری کے لئے انہیں استعمال کرتے ہیں اس بات میں کہاں تک صداقت ہے- اس کی مثال امریکی معاشرے سے پیش کی جا سکتی ہے- مافیا کی قائم کردہ اطالوی امریکی شہری حقوق لیگ کی طرف سے امریکہ کے ایک بہت بڑے سرمایہ دار نیلسن راک فیلر کو لیگ کی رکنیت کی پیشکش کی گئی جسے نیلسن راک فیلر نے محض لیگ کی سرپرستی کی خاطر قبول کر لیا-

اس ہولناک قتل میں امریکہ کی خفیہ پولیس کا ہاتھ ہے

دوبارہ اپنی سرگرمیاں تیز کیں تو پولیس ایک بار پھر چوکنا ہوگئی۔ امریکہ کے اخبارات میں کولمبو کے کارنامے شائع ہونے لگے۔ اس کے متعلق بڑی بڑی سرخیاں لگنے لگیں۔ مگر پولیس کولمبو پر ہاتھ نہ ڈال سکی۔ کولمبو اپنے کارناموں کو امریکی قوانین کے اندر ہی انجام دیا کرتا۔ مافیا کے کارکن خوش تھے کہ کولمبو نے مافیا کی روایتی دہشت گردی کو اپنے کارناموں سے زندہ رکھا تھا۔ مگر اس نے کچھ عرصے کے بعد اس روش کو ترک کر دیا۔ اور ایک امریکی شہری کی حیثیت سے حقوق حاصل کرنے کے لئے قانونی راستہ اختیار کیا۔ یہ بات مافیا والوں کو پسند نہ آئی۔ اس کا ایک لڑکا جوزف جونیئر کسی جرم میں گرفتار ہوا تو اس نے مافیا کے مخصوص ڈگر سے ہٹ کر اس کی رہائی کے لئے شہر کے سب سے بڑے قانون دان کی خدمات حاصل کیں۔ اس نے چونکا دینے والی حرکت کی تھی۔ اس نے ایف بی آئی پر الزام لگایا کہ اُسے اور اس کے اہل خاندان کو خوفزدہ کیا جا رہا ہے۔ اس واقعہ کے فوراً بعد اس نے اطالوی، امریکہ شہری حقوق لیگ کی بنیاد رکھی۔ جس کا مقصد شریفانہ زندگی بسر کرنے والوں کو شہری حقوق اور مراعات دلوانا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی یہی ادا مافیا کی پرانی لائن پسند کرنے والوں کو ناگوار گزری۔ اور اسے قتل کر دیا گیا۔

کولمبو کی قائم کردہ لیگ نے اپنے خرچ پر ایک شاندار اسپتال تعمیر کروایا۔ حال ہی میں لیگ نے بچوں کے لئے سمر کیمپ کا انتظام کیا تھا۔ ایف بی آئی کی عمارت کے سامنے اور دیگر شہروں، قصبوں میں شہری حقوق اور ایف بی آئی کے خلاف احتجاجی مظاہرہ بھی کرایا گیا۔ لیگ نے کولمبو کو سال کی بڑی شخصیت کا اعزاز بھی دیا۔

کولمبو کے قتل کے کچھ دیر بعد ایسوسی ایٹڈ پریس میں ایک ٹیلیفون کال موصول ہوا اور بتایا گیا کہ "یہ قتل سیاہ فام انقلابی حملہ آور ٹیم کا کارنامہ ہے۔ اس کے علاوہ ایسے لوگ بھی قتل کئے جائیں گے جو سیاہ فاموں کا استحصال کرتے ہیں۔"

سیاہ فام حملہ آور ٹیم کا کہنا ہے کہ "سنڈیکیٹ کے سفید فام عہدیدار خطرناک کاموں کے لئے سیاہ فاموں کا انتخاب کرتے ہیں۔ سیاہ فاموں کی بستیوں میں منشیات کے اڈے بنائے جاتے ہیں جس سے سفید فام آقا غریب سیاہ فاموں کی لوٹی ہوئی دولت سے عیش کرتے ہیں۔ ایسے سفید فام اعلیٰ عہدیدار جو کالوں کا استحصال کر کے اپنی دولت میں اضافہ کرتے ہیں ہمارے دشمن ہیں۔ اور اُن کا قتل واجب ہے":

یہ کولمبو کے قتل کی دوسری وجہ بتائی جاتی ہے۔

قتل کی چھان بین

کولمبو کے قتل کے بعد پولیس نے چھان بین شروع کی۔ اور اس نکتہ سے اپنی تحقیقات کا آغاز کیا کہ اُسے کون قتل کرنا چاہتا تھا؟۔ اس کی ابتدا جانسن سے شروع ہوئی جس کے جسم سے ۷،۶۵ ایم ایم پستول کی گولی برآمد کی گئی تھی۔ پارٹی کے دن ہال میں فلم تیار کی جا رہی تھی۔ جانسن کولمبو سے چند گز کے فاصلے پر ایک خاص کیمرہ سے فلم بنا رہا تھا۔ اس کا رُخ کولمبو کی طرف تھا۔ وہ کیمرہ نہیں مل سکا البتہ پارٹی پر تیار ہونے والی فلم کو آہستہ چلا کر دیکھا گیا تو جانسن کی حرکات مشکوک نظر آئے۔ اس نے حادثہ کے فوراً بعد اپنا کیمرہ ایک عورت کو دے دیا۔ جو ہجوم میں گھل مل کر غائب ہوگئی۔

جوزف کولمبو، مافیا کے دوسرے سربراہوں کی نسبت ایک امن پسند شہری کی زندگی گزارنا چاہتا تھا۔ وہ اپنے آدمیوں کے لئے شہری حقوق حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے اپنے چاروں طرف سے پرائیویسی کا پردہ ہٹا دیا تھا۔ وہ عام کارکنوں سے بھی گفتگو کرتا تھا۔ مگر ایف بی آئی کا ادارہ اس کے راستے میں روڑے اٹکاتا رہا۔ اس کے آدمیوں کو پریشان کیا گیا اور بالآخر گزشتہ ماہ اُسے قتل کرا دیا گیا۔

کیوں؟

یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب زوال پذیر امریکی معاشرہ ہی دے سکتا ہے۔



تعارف بیگموں کا

اگر کسی بیگم کو اس آئینے میں اپنا چہرہ دکھائی دے تو ہمیں ضرور اطلاع دیں



کاک ٹیل پارٹیاں اُن کے لئے عرفان کی منزل ہیں

سلمیٰ جبیں کے قلم سے

کراچی کی مشہور سیاسی رہنما، سماجی کارکن اور بارسوخ خاتون ہیں۔ اسمبلی میں خواتین کی نمائندگی کرتی رہی ہیں۔ ان کا یہ جملہ مشہور ہے کہ ایک پاؤں کراچی میں دوسرا لاہور میں۔ اس سے آگے احمد ندیم قاسمی نے "امروز" میں جو لکھا تھا اُسے ہم یہاں لکھنا پسند نہیں کرتے۔ آپ مختلف حالات میں مختلف سیاسی جماعتوں کی ممبر بھی رہی ہیں۔ طویل ترین ممبرشپ مسلم لیگ کی ہے۔ اس کے بعد جب بساطِ سیاست الٹی اور انتخابات میں اُن کے ساتھ فرزندِ دلبند کو بھی مات ہوئی تو ایک نئی چال سوچی اور کامیاب ہونے والی پارٹی (جسے حالیہ انتخابات میں ناکام ہونے والے ایک امیدوار نے علاقائی پارٹی قرار دیتے ہوئے پابندی عائد کرنے کی فریاد کی تھی) میں شمولیت کے لئے باقاعدہ بات چیت کی مگر پیادوں نے ان (مہ) رُخوں کی ساری چالیں بیکار کر کے رکھ دیں

ویسے آپ بڑی مشہور بیگم ہیں۔ حال ہی میں انہیں ایک متنازعہ ثقافتی شو کے سلسلے میں اور بھی شہرت حاصل ہوئی ہے۔ ثقافتی تقریبات میں شامل ہونے، مہمانِ خصوصی بننے اور صدارت کرنے کا شوق جنون کی حد تک ہے اس لئے آئے دن اپنی تشہیر کا سامان کرتی رہتی ہیں۔ کہیں کوئی کلچر شو منعقد کرا لیا کہیں مینا بازار سجا کر ان مغل شہزادوں کی یاد تازہ کروادی جو مہر النساؤں کے بھولپن پر اپنی ساری جانوں سے فدا ہو جایا کرتے تھے۔ کسی سکول کالج میں سالانہ جلسہ، ڈرامہ، ادبی یا ثقافتی پروگرام کروالیا کہ مہمانِ خصوصی ہو کر اپنے خیالات کا اظہار کریں اور اخبار میں معہ تصویر ایک آدھ کالم کی جگہ پا سکیں۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو محفلِ میلاد ہی کا بندوبست کر لیتی ہیں کہ اب تو اس میں بھی ہار پھول پہن کر تصویر کھنچوانے کی گنجائش نکل آتی ہے۔

آپ دعوتیں دینے اور کھانے کی بے حد شائق ہیں۔ افسروں، سیٹھوں، بڑے آدمیوں اور مشہور ناموں کی دعوتیں بڑی دھوم دھام سے کرتی ہیں۔ نو عمر خواتین کی ایک لمبی فہرست ہر سمے اُن کے پاس ہوتی ہے اپنے گھر پر کسی تقریب کا اہتمام کریں تو ان سب خواتین کو ضرور بلواتی ہیں۔ اس سے بہتوں کا بھلا ہوتا ہے۔

فوٹو گرافروں اور رپورٹروں سے اُنھیں بھی بڑا اُنس ہے۔ انہیں اپنے گھر بلانے پر بہت اصرار کرتی ہیں۔ کسی بہت بڑے کلچرل شو کی بات ہے ایک سال خوردہ صحافی نے ایک خورد سال صحافی کا تعارف بیگم صاحبہ سے کروایا۔ بیگم صاحبہ نے اُنھیں غور سے دیکھا اور بولیں "ہمارے گھر آیئے نا، آپ کو مایوسی نہیں ہوگی" ان کے گھر جانے والے کبھی مایوس نہیں ہوتے۔

اِن کے تعارف میں کاک ٹیل پارٹیوں کا ذکر تو رہا جاتا ہے۔ یہ وہ واحد مشغلہ ہے جس میں انہیں اتنی مہارت حاصل ہے اور جس سے آپ کو اتنی عقیدت ہے کہ اسے باقاعدہ "عرفان" کی ایک منزل سمجھتی ہیں۔ کاک ٹیل پارٹی اپنے گھر پر ہو تو بڑے خشوع و خضوع سے انتظامات میں مصروف ہوتی ہیں۔ کسی کے ہاں ہو تو بہت خلوص سے شرکت کے لئے پہنچتی ہیں — سفارت خانوں میں ہونے والی اس قسم کی دعوتوں سے تو انہیں ایسا لگاؤ ہے کہ دیکھنے والوں نے ایسی کوئی تقریب کبھی اُن کے بغیر نہیں دیکھی۔

ان سے اگر پوچھیے کہ آپ نے مدتوں سیاست میں خواتین کی نمائندگی کی ہے۔ بتایئے تو آپ نے خواتین کے لئے کیا کیا۔ ؟

جواب میں ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ آپ کی طرف دیکھیں گی، پرس کھولیں، بند کریں گی۔ انگلیوں کی انگوٹھیاں گھمائیں گی۔ مسکراہٹ سمیٹیں گی اور پھر کہیں گی، "میں نے اِن عورتوں کے لئے کیا نہیں کیا۔ اِن کے حقوق کے لئے میں نے برسوں جدوجہد کی ہے۔ ان کے مسائل حل کرنے کے لئے میں نے مدتوں پاپڑ بیلے ہیں۔ لیکن افسوس، میری خدمات کا کوئی اعتراف نہیں۔ کوئی صلہ نہیں۔ کوئی تمغہ نہیں۔ کوئی ستارہ نہیں، کچھ بھی تو نہیں۔"

اب آپ پوچھئے "خواتین کے کونسے حقوق کے لئے آپ نے جدوجہد کی ہے"؟ فرمائیں گی "برابر کے حقوق"۔

برابر کے حقوق سے متعلق استفسار کیجئے تو جواب میں جو تشریح کریں گی اس میں اور تو سب کچھ ہوگا، برابر کے حقوق کا ذکر نہیں ہوگا۔ ان کی اپنی زندگی جس ماحول میں گزری ہے اور گزر رہی ہے وہاں کسی شخص کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہوتا جو حل نہ ہو سکے۔ اس لئے اُن سے خواتین کے مسائل پر کچھ نہ پوچھئے گا کیونکہ جواب مضمون لطیفے کے سوا کچھ اور نہ ہوگا اور ہمارے لئے دھان کوٹتی، چاول پھٹکتی، بجری ڈھوتی، مزدوری کرتی، مصالحے پیستی، کپڑے سیتی، برتن مانجھتی، کپاس کے پھول اور چائے کی پتیاں چنتی عورت کے مسائل ایسے نہیں کہ اُن پر ہنس سکیں۔ ہنسی اس بات پر آ سکتی ہے کہ ہماری تمام بیگمات کے شوق، مشاغل اور مسائل ایک سے کیوں ہیں۔ یقین نہ ہو تو صبح، شام کا کوئی اخبار اُٹھا کر دیکھ لیجئے، ٹائیٹل پر کوئی نہ کوئی خاتون ایک چارمنگ گیسٹ کے طور پر مُسکرا رہی ہوں گی۔ اب تو ان خواتین میں باقاعدہ رسہ کشی ہونے لگی ہے ہر تقریب میں وہ ہتھیاروں سے لیس، اداؤں سے مسلح اور کم کم لباس میں ملبوس پہنچتی ہیں کہ کیا خبر آج کی چارمنگ گیسٹ ہونے اور چوکھٹے میں مسکرانے کا شرف انہیں ہی حاصل ہو جائے۔

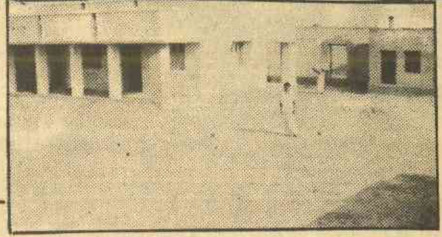
ہماری بیگم صاحبہ کو بھی تصویریں کھنچوانے کا شوق پاگل پنے کی حد تک ہے۔ کسی پروگرام میں اگر خود مہمانِ خصوصی نہ ہو سکیں تو دوسرے مہمانِ خصوصی کے ساتھ چپک جائیں گی۔ اور اس وقت تک چپکی رہیں گی جب تک آخری فوٹو گرافر وہاں سے رخصت نہ ہو لے۔ حاضرین میں بھی اگر کبھی بیٹھنا پڑے تو پہلے پوچھ لیں گی کہ "اس جگہ سے فوٹو گرافر مجھے بآسانی فوٹو گراف کر سکے گا نا؟" تسلی ہو جائے تو بیٹھتی ہیں ورنہ تصویریں کھنچوانے کا کوئی اور انتظام کر لیتی ہیں۔

ہر سیاسی جماعت سے اُن کی وفاداری چونکہ بشرط استواری تھی اس لئے آج سیاسی نقطۂ نظر سے فراغت ہی فراغت ہے۔ غیر سیاسی سرگرمیاں البتہ عروج پر ہیں۔ اور انہیں کی طفیل، عوام الناس میں شہرت قائم ہے۔

ہنزہ سے چاٹگام تک



تعلیمِ نسواں کے
اداروں کو سرکاری تحویل
میں دیا جائے



کنری

یہاں تعلیم کا نام گپ شپ میں مہارت حاصل کرنا ہے

غازی مختار

کنری مغربی پاکستان کی سب سے بڑی ٹاؤن کمیٹی ہے۔ تھر کا دروازہ اور ضلع تھرپارکر میں میرپور خاص کے بعد سب سے بڑا اور معروف شہر، دنیا بھر میں سرخ مرچ کی سب سے بڑی منڈی۔ یہاں لڑکوں کا ایک ہائی اسکول، ایک گورنمنٹ پرائمری اسکول۔ دو پرائیویٹ پرائمری اسکول ہیں۔ لڑکیوں کا ایک پرائمری اسکول۔ دو پرائیویٹ پرائمری اسکول اور ایک غزالی گرلز ہائی اسکول جسے ٹاؤن کمیٹی چلاتی ہے۔

کنری کا سب سے بڑا مسئلہ تعلیم نسواں ہے۔ گورنمنٹ گرلز پرائمری اسکول میں تقریباً پانچ سو بچیاں پڑھتی ہیں اور بارہ استانیاں ہیں۔ ایک اور انجمن ایک پرائمری اسکول چلاتی ہے۔ اس میں ایک سو سے زائد لڑکیاں ہیں اور تین استانیاں اور تیسرے اسکول میں بھی ایک سو بچیاں اور تین استانیاں ہیں۔ مگر گرلز ہائی اسکول کی پانچ کلاسوں میں کل پچھتر لڑکیاں اس سال تھیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ باقی چھ سو لڑکیوں کی تعلیم کا کیا ہوا؟

کنری کے غزالی گرلز ہائی اسکول کا معیارِ تعلیم ایسا نہیں کہ لوگ اپنی بچیوں کو اس اسکول میں پڑھائیں آج کل آرٹس کی کوئی قدر نہیں رہی اور ہر طالبِ علم کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ کم از کم میٹرک تک سائنس کی تعلیم ضرور حاصل کرے مگر اس اسکول کی چار استانیوں میں سے کوئی بھی حساب یا سائنس نہیں پڑھا سکتی۔ اکثر والدین نے اپنی بچیوں کو گھر میں بٹھا لیا ہے اور کچھ نے کنری سے دور میرپور یا حیدرآباد میں اپنی بچیوں کو پڑھنے کے لئے بھیج دیا ہے۔ ایسے لوگ جو غریب ہیں یا بڑے شہروں میں ان کے عزیز نہیں، اپنی بچیوں کا سلسلۂ تعلیم ختم کرنے پر مجبور ہیں۔ ٹاؤن کمیٹی کے وسائل بہت زیادہ ہیں وہ اس اسکول کو چلا سکتی ہے مگر آج تک اس نے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ کچھ سال پہلے شہریوں نے محکمہ تعلیم کو درخواستیں دی تھیں کہ وہ اس اسکول کا انتظام سنبھال لے اور اسٹاف رکھے۔ اس وقت چیئرمین کو بھی مصلحتیں پیش نہیں تھیں (ان مصلحتوں کا ذکر ضرورت پڑی تو کیا جائے گا) یہاں سے باقاعدہ قرار دادیں منظور کر کے محکمہ تعلیم کو بھیجی تھیں کہ اس اسکول کو وہ اپنی تحویل میں لے لے۔ مگر محکمہ تعلیم نے کوئی توجہ نہ دی۔ اس کے بعد اس اسکول سے چیئرمین کے کچھ ایسے مفادات وابستہ ہو گئے کہ وہ جان بوجھ کر خاموشی اختیار کر گئے۔ شکر ہے اب چیئرمین سے شہریوں کو چھٹکارا مل گیا اور اس وقت ایک بہترین ذہن کو کنری کا ایڈمنسٹریٹر مقرر کیا گیا ہے۔

مندرجہ بالا اعداد و شمار کی روشنی میں ایک بار پھر ڈائریکٹر تعلیم حیدرآباد ریجن اور انسپکٹر آف اسکولز کی توجہ اس طرف دلائیں گے کہ وہ غزالی گرلز اسکول کو اپنے کنٹرول میں لیں اس سے ان کے بجٹ پر کچھ بار نہیں پڑے گا کیونکہ کنری ٹاؤن کمیٹی کے وسائل بہت وسیع ہیں اور وہ اسی طرح اسکول کا خرچ برداشت کر سکتی ہے۔ کنری کے ایڈمنسٹریٹر سے تو شہریوں کو قطعی امید ہے کہ وہ تعلیم نسواں کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے فراخدلی سے یہ اسکول حکومت کے حوالے کر دیں گے۔

تین سال پہلے ٹاؤن کمیٹی نے محلہ غریب آباد اور مکرانی پاڑہ میں دو اسکول بارہ ہزار کی لاگت سے بنائے تھے۔ مگر سابقہ چیئرمین کے سبب پڑھائی کا سلسلہ اب تک جاری نہیں ہو سکا۔ اس وقت ان دونوں ویران اسکولوں میں لوگ گھر بنائے بیٹھے ہیں۔ آخر بارہ ہزار کے اس خرچ سے عوام اور حکومت کو کیا فائدہ پہنچا؟ اس سلسلے میں بھی ہماری محکمہ تعلیم اور ایڈمنسٹریٹر سے یہی گزارش ہے کہ حکومت ان اسکولوں کو اپنی تحویل میں لے لے۔

بوائز ڈی سی ہائی اسکول میں سالوں سے مرمت نہیں ہوئی ہے کلاس روم اور ہاسٹل کی چھتوں اور دیواروں کا پلستر اکھڑ چکا ہے۔ دروازوں، کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ چکے ہیں۔ اس کے علاوہ اسکول میں ٹیکنیکل کام سکھانے کے لئے لاکھوں روپے کے خرچ سے ورکشاپ اور مشینوں کا بندوبست کیا گیا تھا مگر اب وہ صرف ایک عمارت ہے۔ بچوں کو کوئی ٹیکنیکل کام نہیں سکھایا جاتا روزانہ باقاعدگی سے کلاسیں لگتی ہیں جن میں بچے گپیں ہانکتے ہیں۔ کبھی استاد کو خیال آ گیا تو مشینوں کی صفائی کر دی جاتی ہے۔ ہم متعلقہ کی توجہ ڈی سی۔ ہائی اسکول کی طرف مبذول کراتے ہیں کہ وہ اس طرف فوری توجہ دے۔

اس وقت ایک عمارت چالیس ہزار روپے کی لاگت سے تعمیر ہو رہی ہے۔ یہ پہلے اسٹاف کوارٹرز کے نام سے منظور ہوئی تھی اور پھر جانے اسے کس مصلحت کے تحت کوارٹروں کی بجائے ایک بلڈنگ میں تبدیل کر دیا گیا جس کی چار دیواری چودہ فٹ اونچی ہے اور اسے سیکریٹری کوارٹر کا نام دیا گیا۔ ٹاؤن کمیٹی نے ایم۔ بی۔ بی۔ ایس ڈاکٹر دگزٹڈ آفیسر، کے لئے جو کوارٹر بنوایا ہوا ہے اس میں صرف دو

کمرے ہیں اور سیکریٹری کوارٹر میں چھ کمرے ہیں۔ ڈپٹی کمشنر نے اس عمارت کیلئے حکم صادر فرما دیا کہ اس میں سیکریٹری نہیں رہ سکتا۔ ہم ڈپٹی کمشنر کے فیصلے کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ مگر اب اس عمارت کا کچھ تو مصرف ہونا چاہیئے اس سلسلے میں ہماری رائے ہے کہ ٹاؤن کمیٹی جس انڈسٹریل ہوم کو چلا رہی ہے اسے اس عمارت میں منتقل کر دیا جائے کیونکہ انڈسٹریل ہوم کے لئے اس وقت عمارت نہیں ہے اور جو ہے وہ لڑکیوں کے لئے ناکافی ہے۔

کنری میں میٹرک تک کے امتحانات کا سینٹر ہے۔ اور یہ تعلیمی لحاظ سے کنری کی اہمیت کی ایک بڑی دلیل ہے۔ کنری سینٹر سے امتحان دینے والے لڑکے اور لڑکیوں کے لئے کم از کم انٹر سائنس کالج کا قیام ضروری ہے کیونکہ کنری کے گرد و نواح میں میلوں تک کوئی کالج نہیں ہے۔

تربیلا ڈیم

مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار

ایم۔ آر۔ مغل

تربیلا ڈیم ایک منصوبہ ہے۔ اس کی تکمیل کے بعد ملک و قوم کو بہت فائدہ ہوگا۔ لیکن اس وقت اس منصوبہ سے تقریباً ساٹھ ہزار لوگ متاثر ہو رہے ہیں جن کی اکثریت مزدور کسان اور نچلے طبقے سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ لوگ اس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں جسے کسی بھی ملک کی ریڑھ کی ہڈی کہا جاتا ہے۔ ان کے ساتھ محکمہ آباد کاری کا سلوک سوتیلی ماں جیسا ہے۔ ان لوگوں کو معمولی معاوضہ ادا کر کے مکانوں اور زمینوں سے بیدخل کیا جا رہا ہے۔ واپڈا کے محکمہ آباد کاری کے افسروں نے متعلقہ علاقے کے خوانین سے گٹھ جوڑ کر کے ان غریب اور تہی دست لوگوں کی زمین اور مکانوں کی پیمائش کے وقت خوب گھپلے کئے ہیں اور دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹی ہے۔ اِس کے برعکس خوانین کی جائیدادوں کے ان کی مرضی کے مطابق معاوضے دیئے گئے ہیں۔

محکمہ آباد کاری کے افسران کی مزید ہوسِ زر پرستی ملاحظہ ہو۔ انہوں نے متاثرین کو آباد کرنے کے لئے کھلابٹ ٹاؤن کے پاس ۵۷۵ روپے فی کنال کے حساب سے زمین خریدی۔ اور پھر وہی زمین متاثرین کے ہاتھوں ۱۰۵۰ روپے فی کنال فروخت شروع کر دی۔ لیکن فروختگی کے فارم پر یہ شرط رکھ دی کہ یہ قیمت وہ خود (واپڈا کے افسران) لے رہے ہیں۔ اگر حکومت نے قیمت مقرر کرتے وقت مزید قیمت کا اضافہ کیا تو خریدنے والوں کو زائد رقم ادا کرنی ہوگی۔ متاثرین کے خیال میں ۱۰۵۰ روپے فی کنال زمین کی قیمت بہت زیادہ تھی۔ اسی لئے انھوں نے یہ سوچ کر زمین خریدنی شروع کر دی کہ قیمت لازمی طور پر کم ہوگی۔ لیکن اس جگہ علامہ اقبالؒ کا وہ مصرعہ بالکل صادق آتا ہے کہ ؏

"مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار"

محکمہ آباد کاری نے متاثرین کو پندرہ مارچ ۱۹۷۱ء تک علاقہ خالی کرنے کا نوٹس جاری کر دیا۔ نوٹس ملنے پر لوگوں نے مکانوں کی تعمیر شدت سے شروع کر دی لیکن نوٹس کے ایک ماہ بعد اسی زمین کی قیمت چار ہزار روپیہ فی کنال مقرر کر دی گئی۔ اور ساتھ ہی جن لوگوں نے زمین پہلے سے خریدی ہوئی تھی اُن کو مزید رقم ادا کرنے کے لئے کہا گیا۔ یہ خبر بجلی کی طرح علاقے میں پھیل گئی۔ پہلے تو لوگوں نے یہ بات جھوٹ سمجھی لیکن جب تصدیق ہو گئی تو لوگوں میں اشتعال پھیلنا ضروری بات تھی۔ اگلی صبح چند نوجوانوں نے احتجاج کے طور پر واپڈا کی تین چار گاڑیاں جلا دیں۔ اِس پر گرفتاریاں عمل میں آئیں لیکن اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو اس تمام نقصان کے ذمہ دار واپڈا کے متعلقہ آفیسران ہیں۔ جنہوں نے ایسے حالات پیدا کئے۔ ساتھ ہی واپڈا نے لوگوں سے مکانوں کی پیمائش کے وقت مکان کی تعمیر کے حساب سے کٹوتی کی ہے جو کہ سراسر ناجائز ہے۔ کیونکہ آئندہ جو آدمی بھی مکان بنائے گا وہ نیا ہی بنائے گا اسی لئے یہ طریقہ تو متاثرین کو ہمیشہ کے لئے بے گھر رکھنے کے مترادف ہے، اس وقت متاثرین کے چند معمولی مطالبے حل طلب ہیں۔

۱۔ مکانوں کی پیمائش کے وقت کٹوتی کا طریقہ بند کیا جائے۔

۲۔ جن متاثرین کے معاوضے کی رقم ۵۰۰۰ روپے یا اس سے کم ہے اس کو حکومت مکانات تعمیر کر کے دے یا اُن کی مناسب مالی امداد کی جائے۔

۳۔ جو کسان موروثی طور پر مزارعین چلے آ رہے ہیں ان کو کم از کم ۱۰۰ کنال زمین فصلانہ قسطوں پر دی جائے!

قارئین کہتے ہیں



امریکی امداد کا راز

ہفت روزہ ٹائم، (۱۲ر جولائی ۱۹۷۱) کے شمارہ میں غیر ملکی امداد، کی ضمنی سرخی کے ساتھ پاکستان کے بارے میں ایک کالم لکھا گیا ہے۔ اس کالم سے امریکی حکمت کی پوری وضاحت ہو جاتی ہے۔'

"نکسن انتظامیہ پاکستان کو امریکی امداد جاری رکھے گی۔ فوجی امداد بھی دی جائے گی۔ اس میں کوئی کمی نہ کیجائے گی جو ۲۵ر مارچ سے مشرقی پاکستان کے بحران کی وجہ سے رک گئی تھی۔ امریکہ کے اس سے دو مقصد حل ہوں گے۔ ایک مشرقی پاکستان کے تصفیہ کی راہ کھلی رہے گی۔ اور دوسرے اسلام آباد کو پیکنگ پر اور زیادہ بھروسہ کرنے سے باز رکھنا۔ جو اسے پہلے ہی فوجی امداد دے رہا ہے۔ گو یحییٰ خان نے چار ماہ کے اندر دستور دینے کا وعدہ کر لیا ہے۔ پھر بھی مشرقی پاکستان کا تنازعہ جاری ہے۔ اور ابھی تک ایسے آثار نظر نہیں آتے کہ امریکہ کی اس حکمتِ عملی سے کوئی حسبِ منشا نتیجہ برآمد ہو گا۔"

جی ہاں یہ اس ہفت روزہ کا کالم ہے جسے امریکہ کا پالیسی ساز رسالہ کہا جاتا ہے۔ اس سے امریکی فوجی امداد کی ترسیل بھی سمجھ میں آجاتی ہے۔ لیکن اس سے زیادہ ٹائم کی بے خبری کا احساس ہوتا ہے کہ اسلام آباد تو پیکنگ اور واشنگٹن کے درمیان رابطہ کا کام کر رہا ہے۔ واشنگٹن، اسلام آباد کو پیکنگ پر زیادہ بھروسہ سے کیا باز کر سکے گا خود پیکنگ کے لئے واشنگٹن کو اسلام آباد کا سہارا لینا پڑ رہا ہے۔ (صلاح الدین احمد۔ کراچی)

مجھے ہاؤسنگ سوسائٹیوں سے بچاؤ

نام نہاد ہاؤسنگ سوسائٹیوں کا پول کھول کر ہم جیسے بدنصیبوں پر دیر سے نگاہِ کرم کیا۔ پہلے لکھتے، کچھ پہلے، ان کے پھیلائے ہوئے جال میں میرے پھنسنے سے قبل۔ اگر آپ کا یہ مضمون میری نظروں سے گزر جاتا تو شائد میری زندگی بھر کی پونجی لٹنے سے بچ جاتی۔ اسی قسم کی ایک نام نہاد سوسائٹی نے میرے غریب جسم پر اتنا گہرا گھاؤ لگایا کہ بھرنے میں نہیں آتا۔ بھرے بھی کیسے، ساری زندگی پیسے جوڑ جوڑ کر جمع کیا۔ اور یہ سوچ کر کہ آخری لمحہ اپنے گھر کی چھت کے نیچے گزاروں، ایک ہاؤسنگ سوسائٹی کے چکر میں پھنس گیا۔ سات سال گزر گئے، نہ تو زمین ملی اور نہ ہی اپنا سرمایہ۔ کہاں جاؤں، کس سے داد و فریاد کروں،

(سلیم الطاف کراچی)

ملکۂ ترنم کے بعد ترنم کو بھی طلاق

لیجئے، ابھی فلم بیں طبقہ نور جہاں ٹریجڈی سے سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ اس پر اچانک فلم انڈسٹری کی ایک دوسری اداکارہ ترنم کے طلاق کی آفت ٹوٹ پڑی۔ بے چاری نے پریس کانفرنس کے دوران رو رو کر برا حال کر لیا۔ عینی شاہدوں کا کہنا ہے کہ ترنم نے اس سے اچھی اداکاری کسی فلم میں نہیں کی۔ وہاں موجود ایک فلم ساز تو اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے فوراً ترنم کو اپنی فلم میں کام کرنے کی پیشکش کر دی۔ اس نے یہ بھی کہا کہ "میرے ارادے خاک میں مل گئے۔ مجھے تاریکی میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ میں بے سہارا ہو گئی۔"

اس کا بیان پڑھ کر بڑا افسوس ہوا، بے چاری ٹھوکریں کھانے کے لئے اکیلی رہ گئی۔ کیا اس کا کوئی بنک اکاؤنٹ نہیں ہے۔ خیر چھوڑیئے اس بات کو، میں تو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آخر ہماری فلمی صنعت کو اچانک کیا ہو گیا ہے۔ دھڑا دھڑ طلاقوں کی واردات ہو رہی ہے کیا ہماری یہ صنعت بھی "سیاسی صنعت" کی طرح طلاقوں کے بحران میں مبتلا ہے؟

(فیاض احمد لاہور)

"الفتح" بلیک میلنگ پر اتر آیا ہے

"الفتح"۔ بائیں بازو کی سوچ رکھنے والوں کا بے باک ترجمان تھا مگر کچھ عرصے سے اب "الفتح" بلیک میلنگ پر اتر آیا ہے۔ "پردہ چاک" کے عنوان سے آپ جو کچھ چھاپ رہے ہیں۔ اس سے آپ کے خبیث باطن کا اظہار ہوتا ہے، آپ عوام کے اس مقبول ترین پرچے کے ذریعے چند اداروں کو بلیک میل کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ آپ کو اشتہار دیں۔ ان اداروں کی بدعنوانیوں کو بے نقاب کرنے کا اس کے سوا اور کیا مقصد ہو سکتا ہے۔

(عبداللطیف لیاقت آباد)

مہدی بن برقہ پر مضمون مفصل لکھئے

مراکش کے حالیہ انقلاب پر تبصرہ پڑھا۔ کچھ تشنہ رہا۔ آپ نے تبصرے میں مراکش کے عظیم سوشلسٹ رہنما مہدی بن برقہ کے سرسری ذکر پر اکتفا کیا۔ مہدی بن برقہ کی زندگی، مراکش کے عوام کی زندگی ہے اُسے سمجھے بغیر مراکش کے حالات سمجھ میں نہ آئیں گے۔ آپ سے گذارش ہے کہ مہدی بن برقہ کی جد و جہد، اور اسے جس بہیمانہ طریقہ سے فرانس میں قتل کیا گیا، اس پر ایک الگ سے مضمون شائع کریں۔

(انور علی حیدر آباد)

بقیہ : خاتون محاذِ آزادی پر

حفاظت پر مامور انٹی ایئرکرافٹ گن کے عملے میں شامل ہے۔ بھاری اور ہولناک بمباری کے دوران بھی ہین مسکراتی رہتی ہے۔ جب حملہ شدت اختیار کر لیتا ہے تو وہ بطلِ حریت اور ویت نام کے عظیم فرزند ہوچی منہ کے یہ اشعار گانے لگتی ہے۔ ع

ہے یہ بہار پچھلی بہاروں سے شاندار
اب ہے نویدِ فتح سے دھرتی مہک رہی
للکارتا ہے ملک میرا سامراج کو
آگے بڑھو! کہ فتح یقیناً ہماری ہے۔

ہین کی سُریلی آواز انٹی ایئرکرافٹ گنز کے عملے کی ہمت بڑھاتی ہے اور وہ زیادہ دلیری اور ہمت سے معروف جنگ ہو جاتے ہیں۔

ویت نام کی ہر عورت امریکی سامراج اور جنوبی ویت نام کی طفیلی حکومت کے خلاف برسرِ پیکار ہے عورتوں کی جرأت اور بہادری مردوں کے دلوں میں نئے ولولے پیدا کر رہی ہے اور وہ امریکی سامراج کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے میں مصروف ہیں۔

بقیہ : الفنسٹن سٹریٹ میں سازش

اس طبقے کو دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے وہ تو ان چیزوں کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ پھر وہ لوگ کون ہیں جو حکومت کی پابندی کی پروا نہیں کرتے ہیں۔ اور اب بھی آرائشِ حسن پر ہزاروں روپیہ برباد کر کے پاکستان کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اگر ان چیزوں کا خریدنے والا کوئی نہیں تو پھر بلوچستان کا قیمتی سنگ مرمر تحائف کی مختلف شکلوں میں بکنے کے لئے الفی کی دکان پر کس طرح پہنچ جاتا ہے۔ کیا اس سنگ مرمر کو برآمد کر کے زرِ مبادلہ کمایا نہیں جا سکتا۔ ڈیڑھ ہزار روپیہ میں ایش ٹرے کون خریدتا ہے؟ وہ کون لوگ ہیں جو اپنے ڈرائنگ روموں کو سجانے کے لئے فرش پر دس ہزار روپے کا قالین بچھاتے ہیں۔ ایران سے آرڈر دے کر ۲۵ ہزار روپے کا قالین منگواتے ہیں؟ وہ بیگمات اور ان کی البیلی صاحبزادیاں کس طبقے سے تعلق رکھتی ہیں جو بڑی بڑی کاروں میں بیٹھ کر الفی آتی ہیں جو صرف کاسمٹک پر ہر ماہ پانچسو روپے سے لے کر ہزار روپے صرف کرتی ہیں۔ غیر ملکی ہیئر کنڈیشنز اور ہیئر اسپرے کلون سینٹ، نیل پالش، آئی لائنر اور لپ اسٹک کی منہ مانگی قیمت ادا کر کے پاکستان کو ہمیشہ کے لئے ننگا اور بھوکا رکھنے کی سازش کر رہی ہیں۔

ایم ایم احمد صاحب الفی پر آئیے۔ دیکھئے کراچی کے مٹھی بھر سرمایہ دار پاکستان کو تباہ کرنے کی سازش کو ایک فیشن ایبل اسٹریٹ پر عملی جامہ پہنا رہے ہیں۔ یہ لوگ کچھ بھی ہو سکتے ہیں۔ پاکستان کے دوست نہیں ہو سکتے۔ پاکستان کے دشمن ہیں۔ اگر بھارت کا حکمران ٹولہ ہمارا دشمن ہو سکتا ہے تو پھر پاکستان کے اندر رہنے والے یہ لوگ زیادہ خونخوار، وحشی اور چالاک دشمن ہیں۔ انہیں پاکستان کو تباہ کرنے والی سازش سے روکئے ورنہ الفنسٹن اسٹریٹ پر پاکستان کے خلاف کی جانے والی سازش کامیاب ہو جائے گی۔ پاکستان معاشی طور پر تباہ ہو جائے گا۔

بقیہ : امریکہ سے ایک خط

مشکل ہے۔ یہ دانشور اس بات پر اور بھی زور دے رہے ہیں کہ حالیہ ڈرامائی صورتِ حال، اور چین کی طرف سے نکسن کو دورے کی دعوت کے باوجود چین کے اخبارات اور ریڈیو نے اب تک امریکہ کے خلاف اپنے جارحانہ انداز میں سرِ مو تبدیلی نہیں کی اور نہ اس کا امکان ہے۔

ہمارے مکتوب نگار نے یہ بھی لکھا ہے کہ امریکہ کے اعتدال پسند حلقوں میں جہاں اس خبر پر خوشی کا اظہار کیا گیا۔ وہاں کچھ خدشات کا اظہار بھی کیا جا رہا ہے، ان کا کہنا ہے کہ صدر نکسن نے چین سے تعلقات اور کسینگر کے دورے کو سی آئی اے سے بھی خفیہ رکھا ہے حالانکہ امریکہ کی اصل باگ ڈور تو سی آئی اے کے ہاتھ میں ہے۔ اور خارجہ پالیسی تو چلتی ہی سی آئی اے کی ہے۔ ورنہ سی آئی اے کے پاس اپنی اتنی طاقت اور سرمایہ ہے کہ وہ حکومت کے منصوبوں کو بھی الٹ کر رکھ دے۔ کئی ملکوں میں تو سی آئی اے نے اپنی حکومت کی پالیسیوں کو اس خوبصورتی سے تہ و بالا کیا کہ حکومت کو بھی بڑی دیر بعد احساس ہو سکا۔ سی آئی اے کے بعض قریبی ذرائع ان دنوں بعض نجی گفتگوؤں اور دعوتوں میں نکسن کے مجوزہ دورۂ چین کے بارے میں عدمِ امکان کا اظہار کرتے پھر رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ دورہ انتہائی مشکل ہے۔

امریکی سیاسیات میں اب تک بعض نہایت تاریخی مرحلوں پر جس تشدد اور بربریت کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس کے پیشِ نظر یہ خدشہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ صدر نکسن کو دورۂ چین شاید نصیب نہ ہو، کسی اوسولڈ یا کسی فرحان کی گولی نکسن کے جسم میں اتر جائے۔ سی آئی اے چونکہ اس خفیہ دورے کو اپنے فرائض میں مداخلت سمجھتی ہے، اس لئے اب ظاہری حکومت اور باطنی حکومت کے درمیان کشمکش کا پختہ امکان ہے، یہاں کے قریبی حلقوں کی باتیں سنتے ہوئے یہی لگتا ہے کہ صدر نکسن۔ اس دورے سے پہلے ہی لقمۂ اجل نہ ہو جائیں۔ کیونکہ دورۂ چین امریکی سرمایہ داروں، اور سی آئی اے کی بالادستی کے خاتمے کی طرف پہلا تاریخی اور اہم قدم بننے والا ہے۔ سرمایہ دار اور سی آئی اے کیسے چاہے گی کہ یہ دورہ ہو اور کامیاب رہے، پہلے تو وہ اس دورے میں رکاوٹیں ڈالنے کی کوشش کریں گے اگر اس میں کامیاب نہ ہوئے تو شاید کسی اوسولڈ یا فرحان کو جنم دیں۔

Regd No : S - 2772
Weekly "Al - Fatah" Karachi
22-29 JULY, 1971

ہفت روزہ الفتح کراچی

کا شاندار

سالنامہ

آئندہ ہفتے بازار میں دستیاب ہوگا

چند لکھنے والے

جوشؔ ملیح آبادی ــــــ احمد ندیم قاسمی
ضیاء سرحدی ــــــ فارغ بخاری
ابراہیم جلیس ــــــ محمد میاں
شوکت صدیقی ــــــ ظفر اللہ پوشنی
ابنِ انشاء ــــــ اقبال میر
جمیل الدین عالی ــــــ فرہاد زیدی
عبدالحمید عدمؔ ــــــ خالد علیگ
قتیل شفائی ــــــ محسن بھوپالی
ایم جے زاہدی ــــــ منہاج برنا
افضل صدیقی ــــــ زین الدین خاں لودھی
معراج محمد خاں ــــــ طارق عزیز
علی احمد ــــــ عابد زبیری



ذوالفقار علی بھٹو

چیئرمین پاکستان پیپلز پارٹی

کا خصوصی غیر مطبوعہ اور نہایت اہم مضمون

بھارت کے خفیہ عزائم

اس میں وہ سب کچھ ہوگا جو آپ
پڑھنا اور جاننا چاہتے ہیں

ایجنٹ حضرات اور مشتہرین کرام نے توقع سے بڑھ کر ہمارے ساتھ تعاون کیا ہے۔ ہم ان کے انتہائی شکر گزار ہیں۔ ہم کوشش کریں گے کہ اُن کی مطلوبہ تعداد اور جگہ فراہم کر سکیں

مینیجر ہفت روزہ الفتح - ۸۷ ڈی نرسری کمرشل ایریا پی - ای - سی - ایچ - ایس - کراچی